امام احمد رضا
خطوط کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

رضا اکیڈمی لاہور

سلسلہ کتب 247

نام کتاب: ....امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں

سن اشاعت: ....ذی القعدۃ الحجب ۱۴۲۷ھ / جنوری ۲۰۰۸

تحریر: ....ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

ناشر: ....رضا اکیڈمی، لاہور، پاکستان

مطبع: ....احمد سجاد آرٹ پریس ہسپتال روڈ لاہور۔

ہدیہ: ....دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی

....

اشاعت اول

نوٹ

بیرونی حضرات پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے طلب فرمائیں

اکاؤنٹ نمبر: 938/38 حبیب بینک برانچ وسن پورہ لاہور

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

محبوب روڈ۔ رضا چوک۔ مسجد رضا۔ چاہ میراں فون: 7650440

نشانِ منزل

حدودِ قلم؟

از قلم علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی مرید کے (پاکستان)

سلطنت قلم کی حدود نا پید ہیں۔ آفاق میں اسی کی حکومت ہے۔ مادی و روحانی شہنشاہوں پر اسی کا حکم جاری ہے۔ قلم کے سامنے حکمران سرنگوں ہیں۔ اس کی رفتار کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ کبھی یہ چیونٹی سے کم چلتی ہے اور کبھی میزائلوں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ تاہم آغاز میں سبک رفتار ہوتی ہے اور پھر اثرات و ثمرات کا جوں جوں دائرہ وسعت اختیار کر جاتا ہے توں توں اس کی رفتار میں آبشاروں کی روانی میں شرما جاتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں، اگر کسی نے قلم کی آبرو کو چار چاند لگائے ہیں، تو وہ ہے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات۔

گو قبل ازیں اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی قلم کو خوب آبیاری فرمائی اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان نامور شخصیات کے معتقدین بھی ان کی تقلید میں قلم کو اپنا ملجیٰ و ماویٰ قرار دیتے ہوئے، شب روز اس کی عظمت و رفعت آگے بڑھانے میں مساعی جمیلہ فرما رہے ہیں۔

فی زمانہ بیشتر اہل علم، جہاں قلم کو بڑی شان سے معمور فرما رہے ہیں، جن کے اسماء گرامی درج کیے جائیں، تو کئی دفتر تیار ہوں۔ لہذا ان عالی مرتبت حضرات میں سے صرف نظر کرتے ہوئے، صرف حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زید علمہ و عملہ کی قلمی کاوشوں کو خراج تحسین و محبت پیش کرتا ہے، جنہوں نے اپنی چھتیس

سالہ عمر میں وہ کارنامے سرانجام دیئے ہیں، جو دیگر افراد 360 سال میں بھی نہ دے سکے۔ اگر پرورشی اور تعلیمی زمانہ کو منہا کر دیا جائے تو اس وقت ۱۴۲۷ھ 2006ء (جمادی الاولی، جون) تک صرف اٹھارہ سال بنتے ہیں۔ جو آپ نے قلم کی خوشبو سے مشکبار فرمائے اور اس مختصر عمر میں اٹھارہ سے زیادہ مختلف علوم وفنون کی ڈگریاں اور اسناد حاصل کیں، بلکہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے بھی سرفراز ہوئے۔ اس وقت تک آپ کی متعدد کتب پاک وہند میں طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کئی منتظر اشاعت ہیں۔ باوجود اس کے آپ کا راہوار قلم "سرپٹ" دوڑتا جا رہا ہے۔ اللہ کرے اب یہ کبھی رکنے نہ پائے۔

حضرت شمس مصباحی زید مجدہ قاضی ٹولہ "ہری پور" بہار انڈیا میں 18 اپریل 1970ء کو پیدا ہوئے، اور عجیب اتفاق کہ راقم الحروف کی پیدائش "ہری ہر" ضلع قصور پاکستان میں ہوئی۔ مقام ولادت کی یہ مطابقت ہمیں کہاں سے کہاں تک لے آئی، یہ فطری تعلق کتنی کشش رکھتا ہے؟ فافہموا وتدبروا!!

مولانا موصوف میں پہلی ملاقات مرکزی دارالعلوم "جامعہ نظامیہ رضویہ" لاہور میں ہوئی، جب آپ کا پہلی بار پاکستان آنا ہوا۔ اب بھی آنے کے لئے پر تول رہے ہیں، اللہ کرے ان کی یہ خواہش جلد پوری ہو۔ مگر اب وہاں رہتے ہوئے بھی یہاں موجود ہیں، ملاقات تو دو چار یوم تک محدود ہوتی ہے، مگر جو علم وقلم کی صورت سے سج کر یہاں جلوہ افروز ہوئے ہیں، اس میں فرقت وجدائی کی شائبہ تک نہیں۔ آپ کی ہر کتاب آپ کے نہ صرف وجود کا پتہ دیتی ہے، بلکہ آپ کی موجودگی پر شاہد وعادل بن جاتی ہے۔

زیب نظر گرانقدر تصنیف "امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں" بھی اس پر دال

ہے۔ جس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، مگر راقم السطور نہیں چاہتا کہ آپ میری طرف متوجہ ہوں، بلکہ میرا تو نظریہ ہے کہ

یا الٰہی حشر تک سنتا رہوں

نعت حضرت مدحت احمد رضا

رضا اکیڈمی لاہور جو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ اور اکابر اہل سنت کی سینکڑوں تصانیف لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے بین الاقوامی سطح پر مفت تقسیم کر چکی ہے اور ہنوز یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری ہے۔ یہ عظیم الشان تحریری اشاعت ان ملیوں قارئین کی دعاؤں اور اہل درد و خیر محسنین کے مالی تعاون کا ثمرہ ہے نیز محب امام احمد رضا محترم و مکرم الحاج محمد مقبول احمد ضیائی قادری مدظلہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جو اس سلسلہ میں تن من دھن سب کچھ اس مبارک و مستحسن مشن کی کامیابی و کامرانی پر تج رہے ہیں۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان مرمع، میں اور جملہ اراکین رضا اکیڈمی کو دین و دنیا کی روحانی و مادی نعمتوں سے نوازتا رہے تا کہ اکیڈمی کو مزید استحکام نصیب ہو۔ آمین ثم آمین۔

فقط

طالب دعا، محمد شاہ بخش قصوری مریدکے

۸ ماہ صیام ۱۴۲۷ھ

۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء، دوشنبہ

انتساب:
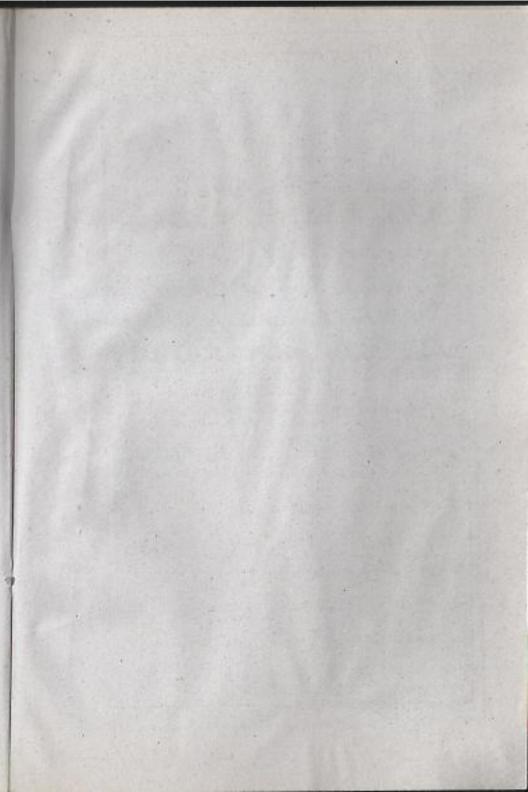
- ☆ غوث صمدانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی
- ☆ عطائے رسول ہند الولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری
- ☆ امام ربانی مجد دالف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی
- ☆ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی
- ☆ شریعت وطریقت کے بحر ذخار حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی
- ☆ خاتم المحققین و المدققین حضرت شاہ نقی علی خاں بریلوی
- ☆ محب رسول تاج الفحول حضرت شاہ عبد القادر عثمانی بدایونی
- ☆ شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھوی
- ☆ عارف باللہ عاشق رسول حضرت شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری
- ☆ مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی
- ☆ تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی

کے نام

ع رحمہ عجب شاہاں زگر بنوازند گدا را

شمس مصباحی نورنوی

فیضِ روحانی:

تاجدار اہل سنت مفتی اعظم مولانا شاہ

محمد مصطفیٰ رضا خان قادری برکاتی

قدس سرہ

بنگاہ لطف و کرم:

تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم مفتی شاہ

محمد اختر رضا خان ازہری قادری برکاتی

مدظلہ العالی

ہدیہ:

اپنے والد گرامی **قاضی عین الدین** رشیدی

جو انگوٹھا ٹیک ہیں۔ مگر قانون داں ایسے کہ اچھے اچھے بیرسٹر گھبرائیں۔ علم دوست، علماء نواز اور صحبت صلحاء علماء کا یہ عالم کہ چھوٹے موٹے عالم بات کرنے سے منہ چرائیں۔

اور اپنی اماں جی **قاضی شمس النساء** رشیدی

جو واقعی پاس پڑوس کی بزم مستورات کا سورج ہیں علم و عمل میں فضل و کمال میں، تقویٰ و طہارت میں، حیاداری اور خودداری میں۔

ایسے دیدہ ور باپ اور ایسی مقدس ماں، جن کی گاڑھی محنت اور دینی تربیت نے اس خاکسار کو اس منزل پر لا کھڑا کیا۔

کی خدمات با برکات میں۔

دو جہاں میں دونوں کے دامن و آنچل کے سایہ کا طلب گار:

شمس مصباحی بورنوی

نذر:

علم و ادب کے متوالوں کے نام
راہ تحقیق کے مسافروں کے نام
ہدایت و حق کے متلاشیوں کے نام
نئی نسل کی دینی امنگوں کے نام

اور

اپنی حیات کی کیاری کے پانچوں پھول
جوحی، وفان، جولی، ریان، جومی

کے نام

شمس مصباحی پورنوی

مشمولات

(الف)

(ب)

☆ تاثرات

☆ خطوط

☆ تبصرے

☆ تنقیدیں

☆ تعارف

تاثرات:

خطوط:

تعارف، تبصرہ، تنقید:

(ج)

(د)

☆

فاسق و فاجر...... چور و قزاق...... شرابی و فریبی

لچے شہدے...... دیوث خائن...... بے عمل و بدکردار

جھوٹ، غیبت، چغلخوری

ان جیسی صفتوں کے افراد...... سماج میں بدترین

افراد کہلائے

یہی لوگ

فقیروں کے آستانوں

درویشوں کی خانقاہوں میں پہنچے

تو بہترین داعی اور مصلح بن کر اٹھے

دور حاضر کی خانقاہیں اور بارگاہیں

بے فیض کیوں ہیں؟

بے اثر کیوں ہیں؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۱۸)

پیش گفتار

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
پرنسپل مرکز النور ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ سینٹر
میرا روڈ، ممبئی

☆

زندگی ہے...... تو جھیلے ہیں

اور حیات ہے...... تو مسائل

زندگی سے اکتا جانا...... یا جھیلوں میں ڈوب جانا

مسائل کا حل نہیں

پیڑ!

زمین سے دیکھو تو بلند نظر آتے ہیں

اور بلندی سے دیکھو، تو بالکل چھوٹے دکھائی دیتے ہیں

تم!

اپنے آپ کو اتنا بلند کرلو

یہ مسائل خود بخود پست ہو جائیں گے

سنو!

اقبال کیا کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۳)

پیش گفتار

"امام احمد رضا، خطوط کے آئینے میں" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ نہ تو کسی تحقیق کا نتیجہ ہے، نہ تلاش کا۔ ہاں! معمولی سی محنت ضرور کیا ہوں۔ تالیف کی وجہ آگے آئے گی۔

یہ کتاب چار حصوں یعنی "الف" "ب" "ج" اور "د" پر مشتمل ہے۔
"الف" میں پیش گفتار سمیت بارہ تحریریں ہیں۔ جن میں خطوط رضا کو زیر بحث لاکر گفتگو کی گئی ہے۔ "ب" میں متعدد تحریریں ہیں۔ جو تاثراتی، تبصراتی اور تنقیدی نوعیت کی ہیں۔ ان سب کا محور میری کتاب "کلیات مکاتیب رضا" ہے۔ تیسرا حصہ "ج" میں دو مضامین ہیں۔ جن کا مرکزی خیال میری کتاب "پروازِ خیال" ہے اور "د" میں ایک انوکھی، اکلوتی تحریر ہے، جو مجھ ایسے بے مایہ کے لئے راہ نما، آئینہ نما ثابت ہوئی ہے۔ وہ ہے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کا مکتوب گرامی۔

الف:

☆ "مجموعہائے خطوط رضا کا تعارف و تفصیل" پیش گفتار چھوڑ کر دوسرا مضمون ہے۔ دراصل یہ اس مقدمہ کا مرکزی حصہ ہے، جو "کلیات مکاتیب رضا" جلد اول کی ابتداء میں شامل ہے۔ بعد میں یہ سہ ماہی "رفاقت" پٹنہ اور ماہنامہ "معارف رضا" کراچی میں شائع ہوا ہے۔ حقیقتاً یہ مضمون مطالعے اور خاصے کی چیز ہے۔ جو بسیار تلاش

وتحقیق، جاں کاہی وکوہ کنی اور عرق ریزی وجانماری کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی ہے
اس مضمون نے بہت سے اہل علم وہنر کو متاثر کیا اور ان کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے لفظوں میں یہ فاضلانہ اور محققانہ ہے۔ دارالعلوم قادریہ
چریاکوٹ کے مہتمم حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی کے بقول: یہ چشم کشاں ہے اور ڈھیر
ساری معلومات کا مرقع ہے۔

☆ دعوت حق، مکتوبات رضا کی روشنی میں:

یہ مضمون علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے اثر خامہ کا خوبصورت نمونہ ہے۔
زبان وبیان پر قدرت، اسلوب کی انفرادیت، اظہار مافی الضمیر کا انوکھاپن، ترسیل
وابلاغ کی دلکشی، پیرائے بیان کی ادائے دلنواز اور مثبت معروضی منطقیانہ مدلل انداز سے
وہ ایسی فضا پیدا کردیتے ہیں کہ حقیقت تک قاری کی رسائی بآسانی ہوجاتی ہے۔ یہی وہ
خوبی وکمال ہے، جو ان کی تحریر وقلم کو علماء ومحققین کی صف میں ممتاز کرتی ہے، اور اظہار
مدعا کے تو وہ سدرۃ المنتہیٰ پر فائز نظر آتے ہیں، کتاب میں مشمولہ مضمون اس بات کا ثبوت
ہے۔

☆ محدث بریلوی کا ذوق عبادت، مکتوبات کے آئینے میں:

یہ مضمون مفتی نظام الدین رضوی کا ہے۔ مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور
میں فاضل استاذ ہیں۔ صدر شعبہ افتاء ہیں۔ ضلع دیوریا وگورکھپور کے قاضی ہیں، محقق
مسائل جدیدہ ہیں۔ جدید مسائل کے افہام وتفہیم کے لئے ملک وبیرون ملک کی علمی وفقہی
مجلس مذاکرہ اور سیمینار میں شرکت فرماتے رہتے ہیں، خالص درسگاہی اور دارالافتائی
آدمی ہیں۔ مگر اردو زبان وادب پر علی الکمال قدرت اور شگفتگی ان کی تحریر میں دیکھنے کو ملتی
ہے۔ خود متقی، متدین، پارسا، پرہیزگار، اور عبادت گذار ہیں، امام احمد رضا کا ذوق

عبادت کا انہوں نے جائزہ لیا ہے، جس کے عقب میں خود ان کا ذوق عبادت نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے، یہ مضمون ہر مسلمان کو دیدۂ عبرت سے پڑھنا چاہیے۔

☆ مکاتیب رضا میں انشاء پردازی کی خوبیاں:

یہ تبصرہ نما تحقیقی مقالہ علامہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کا ہے۔ سید صاحب قبلہ صاحب علم ہیں۔ صاحب نسبت ہیں۔ اہل قلم ہیں۔ رائے صائب اور فکر ثاقب کے مالک ہیں۔ ذکی الحس، قوی الارادہ ہیں۔ زبان و قلم میں تاثیر و طاقت ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی صدارت کی ذمہ داری جب سے سنبھالی ہے۔ اس کی دعوت کی سرگرمیاں، اس کی موثر آواز، اس کا ریسرچ نیٹ ورک، عالمی رابطہ اور اشاعتی کوششوں کو فرش سے اٹھا کر عرش تک اچھال دیا ہے۔ اب ان کی شخصیت بین الاقوامی شہرت و مقبولیت کی حامل بنتی جا رہی ہے۔

شروع ہی سے وہ میرے تحقیقی کاموں میں حد درجہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ پذیرائی و ہمت افزائی کرتے رہے ہیں۔ ''کلیات مکاتیب رضا'' چھپی، تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ غور سے پڑھا، محبت سے دیکھا، تعارف و تبصرہ لکھنے بیٹھے، تو ایک ضخیم تحقیقی مقالہ تحریر کر ڈالے، اب اس کی حیثیت تعارف و تبصرہ سے زیادہ تحقیقی مقالہ کی ہے، اس لئے ان کے مقالے کو تاثرات و تبصرے کے بجائے مقالات کے ضمن میں ضم کر دیا۔ نثر نگاری، مکتوب نگاری، انشاء پردازی، انشائی ادب کا یہ مقالہ سب سے وزنی ہے۔ نئے لکھنے والے اس سے کئی چراغ روشن کر سکتے ہیں۔

☆ فاضل بریلوی کے تین مطبوعہ خطوط (پس منظر):

یہ مضمون پروفیسر محمد ایوب قادری کا ہے۔ پروفیسر موصوف اصل متوطن بدایوں

کے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں جا رہے تھے، امام احمد رضا کے وہ نہ تو ہم خیال و ہم مسلک تھے، نہ تو عقیدت مند۔ تاہم انہوں نے سچ کو سچ ہی سمجھا ہے اور حق کو حق ہی بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ ان کی علمی دیانت ہے، مضمون مختصر ہے۔ مگر اس سے بہت کچھ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اہل بصیرت غور کریں، تو اور بھی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں، امام احمد رضا کی فکر و فتویٰ کا بے غبار چہرہ آئینہ ہو کر سامنے آسکتا ہے۔ الزامات کے ڈھیر سارے دھبوں سے ان کا دامن بے داغ نظر آسکتا ہے اور اختلافات کی بہت سی دیواریں گر سکتی ہیں۔

☆ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری:

یہ تحریر ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف اردو زبان و ادب کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مشہور نثر نگار اور ناقد ہیں اپنی ایجاز بیانی اور اختصار نویسی میں جامعیت کے گل بوٹے اگاتے ہیں۔ یہ ان کا خاص وصف ہے۔ اسلامیات پر بھی گہری نظر ہے۔ گاہ بگاہ طنز و مزاح سے اپنی تحریر کو نمک پارہ بنا دیتے ہیں، نئے لکھنے والوں کے لئے ان کی تحریر و اسلوب میں حکمت و بصیرت کا بہت سا سامان موجود ہوتا ہے۔ نژادِ نو ع میں جو لوگ تحریر و قلم ستھرا ابھرتا ہوا ذوق رکھتے ہیں، بزرگ قلم کار ڈاکٹر موصوف کو ان کی سرپرستی اور تربیت کرنی چاہیے۔

☆ ملک العلماء، مکتوبات رضا کے آئینے میں:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی گنتی ہند و پاک کے ممتاز اہل قلم میں ہوتا ہے۔ امام احمد رضا پر وہ برسوں سے برابر لکھتے چلے آرہے ہیں، عام موضوعات کے علاوہ، وہ ان علوم و ابحاث کو بھی چھوتے ہیں، جن کے جاننے والے اب تقریباً ناپید ہیں۔ اس اعتبار سے وہ خاص امتیاز کے حامل ہیں۔ امام احمد رضا اور ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین رضوی عظیم

آبادی کے درمیان دلی تعلقات اور قلبی لگاؤ و عالم آشکار ہے۔اس پر انہوں نے بطور خاص روشنی ڈالی ہے، اس علمی کساد بازاری میں ڈاکٹر موصوف جو کچھ لکھتے ہیں، وہ ان کے لئے توشۂ آخرت ہوتا ہے۔موصوف کو لکھتے رہنا چاہیے۔تحریر کی جوت جگاتے رہنا چاہیے۔

☆ **امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں:**

حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ خان مہتابی کے حال واحوال تک اپنی رسائی نہیں۔ چنانچہ تعارفی جملے لکھنے سے قاصر ہوں۔ مگر ان کا مضمون ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذی علم شخصیت کے مالک ہیں۔ اسلوب میں انفرادیت ہے۔ برجستگی ہے۔ ادب کی چاشنی ہے۔ مدعا کی ترسیل میں کامیاب ہیں۔

☆ **امام احمد رضا کی انشاء پردازی، مکتوبات کے آئینے میں:**

☆ **امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، فکروفن کے آئینے میں:**

یہ دونوں مضامین مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری کے ہیں۔ جو سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی اور ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی میں شائع ہوئے۔ مولانا نوجوان فاضل ہیں۔ مخلص، متحرک، صاحب لیاقت اور دردمند ہیں۔ رانچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے۔ ''امام احمد رضا کی انشاء پردازی'' یہ مقالہ ابھی چھپا نہیں ہے۔ مقالہ کے حجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انتھک محنت کی ہے۔ یہ ضخیم وعظیم مقالہ چھپ جائے، تو امام احمد رضا کی نثر نگاری وانشاء پردازی اور کئی جہتیں ابھر کر سامنے آئیں گی۔ مندرجہ بالا مضامین پر انہوں نے اپنی سی کوشش کی ہے۔ جو بہرحال قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔

☆ ملک العلماء، مکتوبات رضا کی روشنی میں:

خاکسار کا یہ مضمون اس وقت کا ہے۔ جب رنگین وتخلیقی نثر لکھنے کا شوق تھا۔ اب مزاج، مزاق، منہاج بدل چکا ہے۔ سادہ نگاری سے مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سادگی پیرایہ بیان اہل علم کے علاوہ عوام کو بھی بھاتی ہے۔ مدعاء نگارش تفہیم وترسیل ہے۔ نہ اپنی لیاقت کی نمود ونمائش۔ اسلوب تو ہر حال میں جھلک ہی جاتا ہے۔ خیر یہ بھی بطور تتمہ وتکملہ نہیں، برنگ طفیلیہ شامل کتاب ہے۔

"ب"

اس میں جو مضامین وتحریرات ہیں، وہ سب "کلیات مکاتیب رضا" کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں، تلاش بسیار، بڑی عرق ریزی، انتھک محنت اور نہایت تحقیق کے بعد یہ کتاب سامنے آئی ہے، ۲۰۰۵ء میں ہی اس کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں، پہلے کلیر شریف، ہندوستان سے، پھر لاہور، پاکستان سے۔ جب یہ کتاب اہل علم تک پہنچی، تو بے ساختہ مبارک بادیاں دیں، دعاؤں سے نوازا، تاثرات لکھے، تبصرے قلمبند کیے، تنقیدیں لکھیں اور ہمیں ارسال کیا، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تاثر وتنقید، قبول ورد، مدح وقدح، خامی وکمی، خوبی وخامی کی نشاندہی سب قبول ہے۔ سب کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتا ہوں اور شکر گذار بھی ہوں، ان چیزوں کی اشاعت کی غرض، امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، نثر نگاری اور انشاء پردازی پر مواد فراہم کرنا ہے۔

"ج"

"پرواز خیال" میرے اداس لمحوں کی یادگار ہے۔ جب اس کا مسودہ تیار ہوا، تو ایک سے زیادہ صاحبان علم وقلم کو بغرض سے اصلاح روانہ کیا گیا۔ تین

جگہوں سے جواب تیکھا اور مایوس کن ملا۔ ایک دو جگہ خاموشی رہی، البتہ دو بالغ نظر دانشوروں نے اپنی گراں قدر تقدیم و تقریظ سے کتاب کو سند اعتبار عطا کر دی۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا؟ استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور نے بھرپور پذیرائی فرمائی۔ میرے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے یہ ان کا حسن ظن ہے۔ خدا ان کے ظن کو سچائی کا جامہ پہنائے۔ مخدوم محترم حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ نے نہ صرف تقدیم ارقام فرمائی، بلکہ ان کے ایماء پر اراکین ادارہ مسعودیہ لاہور شاخ نے ۲۰۰۵ء ہی میں کتاب شائع بھی کر دی۔ خاکسار ان تمام کرم فرماؤں کے لئے سراپا سپاس ہے۔

'د'

اس میں پروفیسر محمد مسعود احمد کا ایک اہم مکتوب ہے۔ یہ مکتوب میرے لئے راہنما ثابت ہوا، ایک استاذ کامل کا رول ادا کیا، اس کے متن اور بین السطور سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا، دوران تحقیق میں نے اسی پر عمل کیا۔ نتیجہ میں کئی اہم و مہم کتب و مقالات مرتب ہو گئے۔ اس مکتوب کی اشاعت کی غرض یہ ہے کہ اس کی افادیت عام ہو جائے۔ راہ تحقیق کے نئے راہیوں کے لئے مشعل کا کام کرے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ نیک مشورے قابل قبول ہوتے ہیں، مشوروں سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ مشوروں کی اہمیت قرآن نے بتائی ہے، کوئی کامل سے کامل بھی اپنے آپ میں کامل نہیں ہوتا۔

وجہ تالیف:

مکتوب، مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس آئینہ میں اس کا حسن و قبح بھلا، برا، سیاہ و سفید سب کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے مکتوب نگار کو سمجھنے کے

لئے مکتوب اہم ماخذ قرار پاتا ہے، امام احمد رضا کے مکاتیب ان کے حیات ہی میں چھپنا شروع ہو گئے تھے۔ مجموعی شکل میں بھی اور انفرادی صورت میں بھی۔ مگر سب چھپ چھپ کر نظروں اوجھل ہو گئے، نایاب ہو گئے۔ ''حیات اعلی حضرت'' جلد اول کے آخر میں بطور ضمیمہ کچھ خطوط، مکتوبات امام احمد رضا مرتبہ مفتی محمود احمد قادری، اکرام امام احمد رضا مرتبہ مفتی برہان الحق رضوی خال خال چھپتے رہے۔ صاحبان علم وعقیدت کی زینت نگاہ بنتے رہے۔ ان مجموعوں میں شامل خطوط کچھ ذاتی نوعیت کے زیادہ تھے۔ ان تینوں کتابوں میں خطوط کی تعداد ۱۰۰ بھی نہیں۔

چنانچہ اہل قلم کو شکایت ہوئی کہ امام احمد رضا کے خطوط دستیاب نہیں، کام کیوں کر کیا جائے۔ شکوہ گذاروں میں اپنے بھی تھے اور بیگانے بھی، آغاز کار میں خود مجھے بھی یہ شکایت تھی۔ لیکن پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اصرار آمیز مشورہ سے 'امام احمد رضا کی مکتوب نگاری' پر کام شروع کر دیا۔ فضل الٰہی نے یاوری فرمائی، صاحب تصرف واختیار بزرگوں کا فیضان نظر شامل حال رہا، ذاتی طور پر بھی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ شوق جنوں انگیز میں زلف یار کی یوں مشاطگی کی، الجھے ہوئے کاکل، بکھرے ہوئے گیسو کو اس طرح سنوارا کہ خطوط رضا کا ایک دبستان تیار ہو گیا۔ للہ الحمد علی احسانہ۔

''کلیات مکاتیب رضا'' اول، دوم میں مشمولہ خطوط کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو ہے۔ تیسری جلد بھی ہے، جو ابھی چھپی نہیں ہے، یہ پہلا موقع ہے، خطوط رضا کی اتنی بڑی تعداد اہل علم وتحقیق کی میز تک پہنچی ہے، غالب گمان ہے۔ شکایت کنندگان کی شکایت اس کتاب سے رفع ہو چکی ہوگی۔ اب اہل قلم کام کریں۔ خطوط رضا کا جائزہ لیں اور وہ تمام پہلو تلاش کریں، جو غالب، اقبال، سرسید، ابوالکلام آزاد، حالی، شبلی، سرسید سلیمان ندوی، اور دیگر ممتاز مکتوب نگاروں کے خطوط میں تلاش کئے جاتے ہیں، قلم

کاروں سے مکاتیب رضا کا اگر عادلانہ جائزہ لیا، ہمدردانہ تجزیہ کیا، حقیقت پسندانہ مطالعہ کیا، تو بہتر سے بہتر نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ نثر نگاری و مکتوب نگاری میں امام احمد رضا کا وہ بلند مقام و مرتبہ متعین کیا جاسکتا ہے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

بہتر نتائج کی بات میں نے اس لئے کہی ہے کہ جدید تحقیق کے مطابق امام احمد رضا کو دوسو سے زائد علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی یا کم از کم پچپن علوم تو طے ہے۔ ان علوم میں ان کی تصانیف و نگارشات بھی ہیں، حواشی و تعلیقات بھی، ملفوظات و مکتوبات بھی، اور آثار و باقیات بھی، اس تناظر میں بہتر نتائج کی بات بے جا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی خط نگاری میں جو اسلوبیاتی رنگارنگی ہے، جو موضوعاتی تنوع ہے۔ بنگاہ انصاف دیکھیں تو وہ کہیں اور نہیں ہے، یہ ادعا نہیں، حقیقت ہے۔ کنگن ہاتھ کو آرسی کیا، ذرا جھانک کر دیکھیں۔

بلند مقام و مرتبہ کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے امام احمد رضا ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ جب کہ متذکرہ مکتوب نگاروں میں کوئی ایسی ایک بھی شخصیت نہیں ہے، جس کی تعداد کتب سو تو دور کی بات، دو درجن تک بھی نہیں پہنچتی۔ یونہی ان مکتوب نگاروں کے مجموعہائے خطوط اور تعداد خطوط سے امام احمد رضا کے خطوط کے مجموعے اور تعداد زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے، یہ تو صرف کمیت کی بات ہے۔ جہاں تک کیفیت کا معاملہ ہے۔ تو وہ اہل علم پر خوب خوب واضح ہے۔ لہٰذا امام احمد رضا کو ان کا صحیح مقام ملنا چاہیے، قابل توجہ امر یہ بھی ہے جنہوں نے دس بیس یا سو صفحہ لکھے ہوں اور جنہوں نے سو دو سو نہیں، ہزار صفحات لکھے ہوں۔ یونہی جنہوں نے دس بیس کتاب تصنیف کئے ہوں اور جنہوں نے دو چار سو نہیں، ہزار کتابیں لکھ ڈالی ہوں۔ پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جنہوں نے پانچ دس علم و فن پر اپنے نقوش چھوڑے ہوں اور جنہوں نے دوسو علوم و فنون میں اپنی

نگارشات وتحقیقات کا انبار لگا دیے ہوں۔ یہ وہ وجوہ وامور ہیں، جو قلم کاروں کو اس بات کا انتباہ دیتے ہیں کہ وہ دونوں میں جو تناسب قائم کریں، جائزہ لیں، موازنہ کریں تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ دیانت کا تقاضہ پورا کریں، تقابل وموازنہ بنگاہ حقیقت کریں تا کہ صحت مند نتیجہ منتج ہو سکے۔

خطوط رضا میں مندرج آیات، احادیث، فقہی عبارات کی تخریج، رجال وشخصیات، اماکن ومقامات کا اشاریہ جات اور حواشی وتعلیقات کا کام میرے لیے مشکل نہیں تھا، نہ اب ہے۔ لیکن وقت اور حالات کی ناآسودگی نے نہ کرنے کا موقع دیا، نہ اب دیتی ہے۔ حتی المقدور جو کچھ ہوتا ہے پیش کر دیا جاتا ہے۔ مگر کام کرنے کی ضرورت اب بھی ہے، بلکہ اب تو کام کرنے کے امکانات بہت حد تک بہت زیادہ روشن ہو گئے ہیں۔ جب قلت مواد کا شکوہ تھا، بحمدہ تعالیٰ اب مواد کی فراوانی ہے، اولوالعزم نوجوان فضلاء اور مخلص محققین انھیں اور کام کریں۔

خطوط رضا پر کام کرنے کی تجاویز وعناوین:

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنے تبصرے میں تجویز دی ہے۔ درج ذیل گوشوں پر کام ہونا چاہیے۔

☆ خطوط رضا میں منقولہ آیات واحادیث اور فقہی نصوص کی تفصیلی تخریج۔

☆ رجال وشخصیات اور اماکن ومقامات کے اشاریہ جات کی ترتیب۔

☆ خطوط رضا کی روشنی میں سوانح امام احمد رضا کی ترتیب وتدوین۔

یہ تینوں تجاویز بڑی اہمیت کی حامل ہیں، خطوط کی روشنی میں جو سوانح مرتب ہوتی ہے، وہ سوانحی ادب میں اہم سے اہم تر مانی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت باعتبار

سند و ماخذ کے نہایت معتبر و مستند قرار دی گئی ہے۔

ڈاکٹر امجد رضا امجد، پٹنہ نے ''کلیات مکاتیب رضا'' غور و انہماک سے پڑھے نگاہ نقد و نظر سے بھی دیکھی ہے۔ انہوں نے کچھ تنقیدی حملے و حربے بھی استعمال کئے ہیں۔ جو مجھے بہت اچھے لگے، ان حملوں اور حربوں نے مجھے زیر لب مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ڈاکٹر امجد صاحب نے جو شقوق و نکات ابھارے ہیں۔ وہ اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ ان کو عنوان بنا کر خطوط پر کام کیا جائے، مثلاً:

☆ امام احمد رضا کے شب و روز کی مصروفیات ☆ احباب کے تذکرے ☆ مختلف رسائل کی تصنیف اور ان کی اشاعت کی کیفیت ☆ عہد بہ عہد جسمانی عوارض اور علاج و معالجہ کی تفصیلات ☆ مختلف مقامات کے اسفار کی کیفیت ☆ مختلف امراض کے لئے نقوش و وظائف اور طبی ادویات ☆ طبیبانہ مہارت و معلومات ☆ پسند و ناپسند اشیاء ☆ مکتوب الیہ کو بھیجی گئی کتب و تعویذات ☆ تحقیق مسائل کے لئے دور دراز شہروں سے کتابیں یا ان کی عبارات کی طلبی ☆ الفاظ کی تحقیق ☆ عہد رضا کی علمی، سماجی، مذہبی اور سیاسی کیفیات ☆ مختلف افراد کو بھیجے گئے تاریخی قطعات ☆ بڑوں کا ادب و احترام ☆ چھوٹوں پر شفقت ☆ بہ فرق مراتب القابات کے استعمال کا انداز ☆ اخبار بینی کا معمول ☆ اسلام مخالف تحریکات کی یورش اور اس کے سدباب کے لئے آپ کی قربانیاں، وغیرہ۔

خطوط رضا پر کام کرنے کی مزید جہتیں:

☆ امام احمد رضا کے اردو خطوط:

☆ خطوط رضا میں قرآنی آیات کی کثرت ☆ قرآنی فکر ونظریہ ☆ تفسیری نکات ومباحث ☆ احادیث کی کثرت استعمال اور تشریح وتوضیح ☆ نصوص فقہ سے نقل استناد ☆ فقہائے سلف سے اختلاف اور مختلف فیہ مسائل وروایات میں تطبیق وتوفیق ☆ علم کلام ومناظرہ سے متعلق مباحث کا خلاصہ ونتیجہ ☆ ہیئت وریاضی پر کمال وعبور ☆ اعتقادی ونظریاتی مسائل ومباحث کا منصفانہ جائزہ ☆ سیاسی نقطہ نظر کا تحلیلی جائزہ ☆ معاشی واقتصادی اصلاحات وامکانات ☆ نظام بینک کاری کا قیام وطریقہ کار ☆ اصلاحی مساعی جمیلہ ☆ فن اصلاح سخن ☆ سماجی وعصری ادراک وحسیت ☆ عالمی تغیرات وانقلابات پر نظر وانتقاد ☆ مختلف اسالیب پر قدرت اور ان کے نمونے ☆ مادہائے تاریخ کے استخراج پر کمال واستحضار ☆ ہم عصر صحافتی رویوں کا ادراک ☆ تعزیت نگاری کا منفرد انداز ☆ طبی نسخہ جات وتعویذات ☆ رضا اور اقبال کا تقابلی مطالعہ ☆ کسی بھی مشہور مکتوب نگار کے مکتوبی ذخیرہ سے خطوط رضا کا تقابلی وتحقیقی جائزہ ☆ اردو کے عناصر خمسہ اور امام احمد رضا ☆ اساتذہ سخن اور امام احمد رضا ☆ طنز وظرافت ☆ محاورات وضرب الامثال کا برمحل وبرجستہ استعمال ☆ دعوت حق وتحریک اتحادی اسلامی کے لئے بلیغ کدوکاوش۔

امام احمد رضا کے عربی خطوط:

☆ ترتیب وتدوین ☆ علمی وادبی حیثیت کا تعین ☆ عربیت

ولسانیت پر مہارت وقدرت ☆ زیر بحث مسائل کی تحقیق ووضاحت ☆ مندرجہ آیات واحادیث ونصوص فقہ ودلائل کا احاطہ ☆ رجال وشخصیات اوراماکن کا انڈیکس ☆ مکتوب الیہم کا تعارف وجائزہ ☆ عربی دنیا سے امام احمد رضا کا تعارف ورابطہ ☆ علماء عرب بریلی میں ☆ علماء عرب امام احمد رضا کی نظر میں ☆ علماء عرب پر امام احمد رضا کے اثرات ونتائج ☆ نثری ومنظوم قطعات تاریخ ☆ مشہور عرب مکتوب نگاروں سے مکاتیب رضا کا تقابل وموازنہ۔

امام احمد رضا کے فارسی خطوط:

☆ تالیف وترتیب علمی وادبی ولسانی خصوصیات کا جائزہ ☆ زیر بحث مسائل ومعاملات کا معروضی مطالعہ ☆ شخصیات واماکن کا اشاریہ ☆ مکتوب الیہم کا مقام ومرتبہ ☆ علماء، فارس وفارسی داں علماء ہند میں آپ کی حیثیت ☆ مادہائے تاریخ ☆ فارسی مکتوب نگاروں سے تقابلی مطالعہ۔

خطوط رضا کی خصوصیات:

میری پی ایچ ڈی کے مقالے کا ایک باب ہے ''امام احمد رضا کی خط نگاری کے خصوصیات وامتیازات'' ۔ اس میں میں نے خطوط رضا کی خصوصیات کا جائزہ اورامتیازات کے احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں صرف دوخصوصیت کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں، جو وہاں نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ خطوط رضا کا آئینہ ہمیں یہ دکھاتا ہے۔ امام احمد رضا کو نہ تو جلب منفعت سے غرض تھی، نہ حصول زر کا جذبہ اورنہ مال دنیا کی محبت وطلب۔ جبکہ ان کے معاصرین کے خطوط میں زر، زن، زمین کی گونج خوب سنائی دیتی ہے۔ امام احمد رضا کا

دامن ان باتوں کی آلودگیوں سے پاک نظر آتا ہے، بلکہ کسی نے پیش کش بھی کی ہے تو ان کی غیور طبیعت نے ٹال دیا، ڈانٹ دیا ہے۔ خطوط میں مثالیں موجود ہیں۔ یہاں مثالوں کا اندراج طول بحث کا باعث ہوگا، ان کی شانِ بے نیازی پر ایک بھرپور مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔

دوم یہ کہ خطوط رضا کا مطالعہ ہمیں یہ کہنے پر ابھارتا ہے۔ ۱۴ برس کی عمر سے زندگی کی آخری گھڑی تک کہیں کسی موڑ پر پوچھی گئی کسی بات کا جواب دینے سے وہ عاجز و قاصر نظر نہیں آتے۔ عنوان کوئی بھی ہو، سوال کیسا بھی ہو، چاہے وہ سوال کسی بھی فن میں ہو، نثر میں ہو یا نظم میں ہو، وہ ایسا جواب دیتے ہیں کہ سائل نہ صرف مطمئن ہوتا ہے، بلکہ حیران و ششدر رہ جاتا ہے، کہیں کہیں تو وہ سائل کے سوال میں کئی کئی سوالات از خود ابھار دیتے ہیں، جو خود سائل کے ذہن میں نہیں ہوتے۔ پھر وہ ایسا جواب قلم بند کرتے ہیں کہ مذکور، محذوف، مقدر سب کا احاطہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر یہ سب مکتوب الیہ کے ذہن و ظرف کو سامنے رکھ کر ہوتا ہے، یہ ایک ایسی خوبی و خصوصیت ہے، جو ان کے ہمعصر مکتوب نگاروں میں ناپید نہیں، تو نادر ضرور ہے۔

سید سلیمان ندوی مشہور ادیب و مورخ تھے، ڈاکٹر محمد اقبال کو ان سے بڑی عقیدت تھی، دونوں کے درمیان خاص تعلقات تھے، ڈاکٹر اقبال جب مسئلہ تالۂ زمان میں الجھے، تو اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ندوی صاحب کو لکھا: علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کون ہے، سوال و جواب اور خط و کتابت کا یہ سلسلہ مارچ ۱۹۲۸ء سے شروع ہوکر کم و بیش چھ سال تک جاری رہا، مگر اس جوئے شیر کی پنگھٹ سے اقبال سیراب نہ ہوسکے، اور نہ فرہاد کا تیشہ اقبال کے کوئی کام آسکا، پروفیسر شبیر احمد غوری علیگڈھ نے اس مسئلہ پر محاکمانہ اور فیصلہ کن رائے کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بہر حال علامہ (اقبال) جس اضطراب ذہنی میں مبتلا تھے، اس سے نجات پانے کے لئے ان کی نگہ انتخاب سید صاحب (سلیمان ندوی) پر پڑی اور یہی ان کی بنیادی کوتاہی تھی۔ انہوں نے اپنے ملکہ مردم شناسی پر اپنے جذبہ عقیدت مفروطہ کو غالب آجانے دیا۔ سید صاحب کا علم وتبحر، ان کا تاریخی مطالعہ، ان کا ادبی ذوق ہر چیز اپنی جگہ مسلم، مگر: ع ہر مردے وہر کارے۔

آخر تو سید صاحب اسی ادارے (ندوۃ العلماء) کے نمائندے تھے، جہاں سے معقولات کو سب سے پہلے دیس نکالا ملا تھا''...... وہ (ڈاکٹر اقبال) کم وبیش چھ سال سید سلیمان ندوی سے استفادہ کی کوشش کرتے رہے، مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے زیادہ نہیں نکلا'' (ماہنامہ ''برہان'' دہلی، دسمبر ۱۹۷۲ء بحوالہ اقبالیات از شبیر احمد غوری، مطبوعہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۸ء، ص: ۳۵)

اقبال وسید صاحب کے مابین اس چھ سال خط وکتابت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، وہ تو آپ نے پڑھ لیا۔ ایک اور دوٹوک تحریر پڑھئے، غوری صاحب لکھتے ہیں:

''مگر علامہ (اقبال) سید سلیمان ندوی کے اس درجہ عقیدت مند تھے کہ ان سے اس نئے خیال کی تصویب کرائے بغیر اپنانا نہیں چاہتے تھے، ادھر سید صاحب نے جو اس سنگلاخ وادی کے کبھی راہ رو نہیں رہے تھے۔ عافیت خاموشی ہی میں سمجھی، مگر علامہ نے اس خاموشی کو ''تصویب'' سمجھ لیا اور پھر جو اس فکری بے راہ روی کے قلزم ناپیدا کنار میں غوطہ لگایا، تو آخر تک اسی گرداب میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے اور ساحل نجات تک رسائی آخر تک ممکن نہ ہو سکی۔ (نفس مصدر ص: ۶)

پروفیسر شبیر احمد غوری کی کتاب ''اقبالیات'' نہایت دلچسپ بحثوں پر مشتمل ہے، معلومات افزا تحقیقی مواد ہے، غوری صاحب نے اس میں ڈاکٹر اقبال، سید سلیمان ندوی اور نیاز فتحپوری کے علاوہ اوروں کی بھی خبر لی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے یہی

اقبال، سید سلیمان ندوی، نیاز فتحپوری امام احمد رضا کے علم وفن اور گہرائی و گیرائی کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھئے: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مرتبہ مولانا یاسین اختر مصباحی اور یہی غوری صاحب امام احمد رضا کو اسلامی فکر وفلسفہ اور ہیئت وریاضی کا آخری دانائے راز قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''......جب ایسے ہمت شکن ماحول میں ہمیں فاضل بریلوی کی علمیت کا تجزیہ کرنے کا موقع ملتا ہے، تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ:

ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی۔

یہ میری بدقسمتی اور اس سے زیادہ دوں ہمتی و کوتاہی تلاش و جستجو ہے کہ ان جواہر پاروں کی زیارت سے محروم رہا۔

لیکن جو بھی جواہر پارہ ملا، اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ محض مصنف علام کی تعلی شاعرانہ نہ تھی، ایک حقیقت نفس الامری ہے''۔ (مسلم علم الہیت، ایک جائزہ از شبیر احمد غوری، مطبوعہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۸ء ص: ۳۷۷)

امام احمد رضا کے خطوط، ملفوظات، تصانیف، حواشی، تعلیقات، مکتوبات، چھان ماریے، کہیں کوئی عجز عن الجواب، خموشی، تاخیر یا تضاد بیانی نظر نہیں آئے گی، کاش! بحث زمان کا مسئلہ امام احمد رضا کے عہد میں پیدا ہوا ہوتا اور اقبال ان سے رجوع کرتے، تو اقبال یقیناً فکری بے راہ روی کے گرداب میں ہاتھ پاؤں نہیں مار رہے ہوتے اور ساحل نجات کا کنارہ ان کو مل گیا ہوتا۔

مولانا مفتی سجاد حسین مالدوی کا میں مشکور ہوں کہ انہوں نے نہایت محبت اور محنت سے کتاب کی تصحیح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بے پناہ اجر عطا فرمائے۔

مجموعہائے خطوط رضا کا تعارف

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
پرنسپل مرکز النور ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ سینٹر
میرا روڈ ممبئی

(کلیات مکاتیب رضا جلد اول، ص: ۲۸ تا ۴۲)
(سہ ماہی ''رفاقت'' پٹنہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء ص: ۳۶ تا ۵۴)
(ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی ۲۰۰۵ء ص: ۱۶۵ تا ۱۷۴)

☆

واہ!

جن کی عربی شاعری عربوں نے سنی

تو بولے ''یہ شاعر یقیناً عربی ہیں''

بتایا گیا کہ ''یہ ہندی ہیں''

عربوں کو حیرت ہوئی..... کہنے لگے ''پیدائشی ہندی ہیں، فطرتاً عربی ہیں''

یہ شہادت مصری علماء و شعراء نے دی

رو بہ زوال فارسی کی جگہ اردو لے رہی تھی..... انہوں نے فارسی میں مدحت سرائی کی

زبان دانوں کی نظروں سے ان کے اشعار گذرے

تو یہ بار بار دہراتے رہے..... لطف ملتا رہا

اردو میں ان کی نعتیں مقبول عام ہیں..... مشہور آفاق ہیں

اسماعیل یوسف کالج ممبئی کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر کلیم ضیاء نے کہا

''ان کی شاعری کا جواب نہ ہند میں ہے، نہ پاک میں، وہ لاجواب تھے''

یہ ساری نغمہ سرائیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تھیں

اور نغمہ سرا تھے

امام احمد رضا

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۴)

بظاہر عام اہل علم کی نگاہوں میں خطوط رضا کے دو تین ہی مجموعے ہیں۔ جب کہ یہ مجموعے ایک درجن سے بھی زائد ہیں۔ مجموعوں کے مرتبین میں مکتوب نگار سمیت کئی حضرات نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کے دونوں صاحبزادے حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا و مولینا مصطفیٰ رضا، ان کے تلامذہ و خلفاء اور ان کے احباب و متعلقین بھی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مجموعہ کا تعارف مختصراً کر دیا جائے۔ تعارف و تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱ مراسلت سنت وندوہ، مرتبہ حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا خاں، موضوع اصلاح ندوہ صفحات ۲۴ مطبع نظامی، بریلی، تعداد مکتوب ۵۔ ۱۸۹۵ء

یہ ان کا اولین مجموعہ مکاتیب ہے جو مکتوب نگار کی حیات میں ہی ۱۳۱۳ھ میں مطبع نظامی بریلی سے چھپا تھا۔ اس میں کل پانچ خطوط ہیں۔ ۳/ امام احمد رضا کے قلم سے نکلے ہیں جو مولینا سید محمد علی مونگیری ناظم ندوہ کے نام مرسل ہوئے ہیں اور ۲/ خط ناظم ندوہ کے امام احمد رضا کے نام ہیں یعنی اس میں مکتوب اور جواب مکتوب دونوں موجود ہیں۔ بلحاظ تاریخ دونوں میں ہوئی مراسلت کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۲۹/ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۲) مکتوب ناظم ندوہ بنام امام احمد رضا محررہ ۳۰/ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۵/ رمضان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۴) مکتوب ناظم ندوہ بنام امام احمد رضا محررہ ۱۱/ رمضان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۱۵/ رمضان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء

۲۹/ شعبان، ۵/ اور ۱۵/ رمضان کو لکھے گئے۔ یہی وہ تین خط ہیں جنہیں مفتی محمود

احمد قادری نے اپنی تالیف ''مکتوبات امام احمد رضا'' میں جمع کیے ہیں۔ جو ص ۲۸۸ تا ۳۰۴ پر موجود ہیں۔

۲ اطائب الصیب علی ارض الطیب، مرتب، مولینا سید عبدالکریم قادری بریلوی، موضوع فقہ، مسئلہ تقلید صفحہ ۴۸، مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی ۱۳۱۹ھ

پیش نظر مجموعہ خطوط، امام احمد رضا اور مولینا طیب عرب مکی جو مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل تھے، کے درمیان ہوئی خط وکتاب کا مجموعہ ہے۔ زیر بحث موضوع مسئلہ تقلید ہے۔ اس میں خطوط کی تعداد نو ۹ ہے۔ ۵/ امام احمد رضا کے ہیں اور ا/ مولینا واعظ الدین اسلام آبادی کے، یہ چھ خط مولینا مکی کے نام بھیجے گئے تھے اور ۳/ خط مولینا طیب عرب مکی کے ہیں جو امام احمد رضا کے نام آئے تھے۔

یہ جملہ خط وکتابت عربی زبان میں ہوئی تھی۔ افادۂ عام کی غرض سے حضرت مولینا سید عبدالکریم قادری نے اردو میں ترجمہ کیا تھا اور اسی زمانے میں شائع اس لیے کر دیا گیا کہ مولینا مکی امام احمد رضا کے رد میں ''ملافظۃ الاحباب'' نامی کتاب چھپوا رہے تھے۔ مجموعہ مذکورہ بعد میں فتاوی رضویہ جلد ۱۱/ میں ضم کر دیا گیا ہے۔ جو ص ۳۱۱ تا ۳۴۳ پر موجود ہے۔ پھر مفتی محمود احمد قادری نے امام احمد رضا کے پانچوں عربی خطوط مع اردو ترجمہ ''مکتوبات امام احمد رضا'' ص ۱۳۱ تا ۱۵۶ شامل کر دیے ہیں۔ خاکسار کے سامنے قدیم و جدید بھی نسخے ہیں۔ خطوں کی تاریخی ترتیب یہ ہے۔

(۱)	مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا	محررہ	۱۴/ جمادی الاخری ۱۳۱۹ھ
(۲)	مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی	محررہ	۲۰/ جمادی الاخری ۱۳۱۹ھ
(۳)	مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا	محررہ	(تاریخ درج نہیں ہے)
(۴)	مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی	محررہ	۲/ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۵ رشعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

(۶) مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۷) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۹ رذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

(۸) مکتوب مولینا واعظ الدین بنام مولینا محررہ ۹ رذی القعدہ ۱۳۱۹ھ
طیب مکی

(۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۱۱ رذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

۳ دفع زیغ وزاغ، مرتبہ، حضرت مولینا سلطان احمد سلہٹی، موضوع فقہ صفحات ۲۰ مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی ۱۳۲۰ھ تعداد مکتوب ۳۔

گنگوہ کے مولینا رشید احمد حلت غراب کے قائل تھے۔ جواز غراب پر ان کا ایک فتویٰ ''خیر المطابع'' میرٹھ میں ۲ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ مسلمانوں نے ''خیر المطابع'' کا تراشہ بھیج کر امام احمد رضا سے حکم شرعی معلوم کیا تو انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ پھر دونوں میں مراسلت شروع ہوئی چنانچہ ۷ رشعبان ۱۳۲۰ھ کو امام احمد رضا نے ایک طویل رجسٹری خط مولینا گنگوہی کو ارسال کیا۔ مولینا گنگوہی نے رجسٹری لینے اور جواب دینے سے انکار کر دیا البتہ اطلاع کے لیے ایک کارڈ بھیج دیا۔ جس پر تاریخ درج نہیں ہے۔ کارڈ موصول ہوا تو امام احمد رضا نے پھر ایک طویل مکتوب ۱۱ رشعبان کو روانہ کیا۔ جس کا جواب شاید ادھر سے کچھ نہیں ملا۔

حضرت مولینا سلطان احمد سلہٹی نے ان خطوں کو مرتب کیا۔ اور یہ مجموعہ ''دفع زیغ وزاغ'' اور ''رامیان زاغیان'' کے تاریخی نام سے مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی کے

اہتمام سے چھپ کر عام ہوا۔ ۱۳۲۷ھ کو اس کا دوسرا ایڈیشن حضرت مولینا حکیم حسنین رضا خاں کے خاص اہتمام سے نکلا۔ یہ رسالہ ''رسائل رضویہ'' حصہ اول مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۸۶ء اور مطبوعہ ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ راقم کے مطالعہ میں اس کا دوسرا ایڈیشن اور لاہور و بریلی کا نسخہ بھی ہے۔ ان نسخوں کی عبارتوں میں قدرے تکرار نظر آتی ہے۔ مذکورہ نسخوں کی روشنی میں خاکسار نے تینوں خطوں کو مرتب کر دیا ہے۔ ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا رشید احمد گنگوہی محررہ ۷ رشعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

(۲) مکتوب مولینا رشید احمد گنگوہی بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا رشید احمد گنگوہی محررہ ۱۱ رشعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

۴ ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری، محررہ امام احمد رضا موضوع فقہ، سیاست، مسئلہ مسجد شہید کانپور، صفحات ۴۰ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی ۱۳۳۱ھ، تعداد مکتوب ۲

۳۰ ر ذی القعدہ کو امام احمد رضا سے ایک سوال ہوا۔ سائل مولینا سلامت اللہ صاحب نائب منصرم ''مجلس مؤید الاسلام'' لکھنؤ تھے۔ مسئلہ مسجد شہید کانپور سے متعلق تھا۔ امام احمد رضا نے جواب لکھا۔ اور ساتھ ہی چند امور کی وضاحت بھی چاہی۔ سائل موصوف نے ۳ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو وضاحت طلب امور کی تشریح لکھ بھیجی اور اپنے خط میں لکھا۔

''استفتاء موصول ہوا، مشکور فرمایا۔ ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگہی ہو گئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا

جائے ان کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں......"[1]

اس کا جو جواب امام موصوف نے دیادہ کتاب کے صفحہ ۸ سے صفحہ ۴۰ تک مرقوم ہے۔ اس میں پچاس دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔ صفحہ ۴۰ کے بعد صدر الشریعہ مولینا امجد علی اعظمی کی "قامع الواہیات من جامع الجزئیات" مع تذئیل......" کے عنوان سے ہے۔

یہ رسالہ اسی زمانہ میں مطبع مذکور سے طبع ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد اسے "فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ" جلد ۱۶، ص ۳۶۵ تا ۴۰۰ طبع لاہور میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ امام احمد رضا کی فقہی وسیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں صرف دو خط ہیں۔ ایک مستفتی کا اور دوسرا مفتیٔ علام کا۔

۵ اجلی انوار الرضا، مرتبہ حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا خان، موضوع فقہ، مسئلہ اذان ثانی جمعہ، صفحہ ۴۴، مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی ۱۳۳۲ھ تعداد مکتوب ۴۔

اس مجموعہ خطوط کی اشاعت کی تقریب یوں ہوئی۔ حضرت مولینا معین الدین اجمیری اہل سنت کے مشہور عالم دین تھے۔ اور امام احمد رضا کے سیاسی حریف، ۳۵ صفحات پر مشتمل ان کی ایک کتاب ہے۔ "القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عند المنبر"[2] جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی اندرونِ مسجد ہو۔ میرے خیال میں کتاب کا اسلوب غیر علمی اور غیر متمدن ہے۔ ان کا یہ رسالہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ رسالہ کی لوح پر یہ عبارت درج تھی:

"حسب الحکم فضیلت مآب خان بہادر مولینا مولوی حافظ حاجی محمد انوار اللہ فاروقی معین المہام امور مذہبی، بصدر الصدور صوبہ جات دکن دامت برکاتہم بانی جامعہ نظامیہ"

امام احمد رضا اذان ثانی بیرون مسجد کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے شیخ الاسلام مولینا فاروقی کو کئی خطوط اس لیے ارسال کیے کہ "حسب الحکم......" کا انتساب کہاں تک صحیح

ہے۔ انہوں نے پہلا خط ۱۲ر رمضان ۱۳۳۳ھ کو روانہ کیا۔ جس کا جواب حضرت شیخ نے ۳۵ر دن کے بعد دیا۔ جو غیر مؤرخ ہے۔ دوسرا خط ۱۸ر شوال کو بھیجا گیا۔ کامل ۱۰۰ دن انتظار جواب کے بعد ۲۹ محرم ۱۳۳۴ھ کو امام احمد رضا نے پھر تیسرا خط ارسال کیا۔ مؤخر الذکر دونوں خط کا جواب شاید نہیں آیا۔ انہیں خطوط و مراسلت کا مجموعہ ہے ''اجلی انوار الرضا'' اسے حجۃ الاسلام نے ترتیب دیا۔ اور سنہ مذکورہ میں ہی مطبع مذکور سے شائع ہوا۔ مفتی محمود احمد قادری نے اسی سے تینوں خطوط رضا نکال کر ''مکتوبات امام احمد رضا'' میں درج کیے ہیں۔ جو صفحہ ۸۷ تا ۸۷ مطبوع ہیں۔ خط اور جواب خط کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام محررہ ۱۲ر رمضان ۱۳۳۳ھ

(۲) مکتوب شیخ الاسلام بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام محررہ ۱۸ر شوال ۱۳۳۳ھ

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام محررہ ۲۹ر محرم ۱۳۳۴ھ

۶ الطاری الداری لهفوات عبدالباری، ۳ حصے، مرتبہ مفتی اعظم مولینا مصطفیٰ رضا خان، موضوع ''دین وسیاست'' مجموعی صفحات ۲۸۲، مطبع حسنی پریس بریلی، ۱۳۳۹ھ، مجموعی تعداد مکتوب ۴۳۔

ترتیب واشاعت کا پس منظر: قیام الملت والدین حضرت مولینا شاہ عبدالباری فرنگی محلی، اہل سنت کے معروف عالم دین، بلند پایہ روحانی پیشوا، فرنگی محل لکھنؤ کی مذہبی روایات کے امین اور آخری علمی تاجدار تھے۔ حضرت مولینا اور امام احمد رضا باہم دوست اور ایک دوسرے کے قدر شناس تھے۔ حضرت مولینا ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء میں اٹھی ہوئی تحریک ترک موالات، تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ امام احمد رضا خان ان کی اس حمایت وسرگرمی سے بیزار و ناخوش تھے۔ ان کی نگاہ میں یہ حمایت وسرگرمی

غیر شرعی تھی۔ اس ناخوشی و بیزاری کے تصفیہ کے لیے دونوں میں مراسلت کی ابتداء ہوئی۔ بعد میں خط کتابت کے لہجوں میں تیزی و تندی بھی آ گئی اور تلخیاں بھی پیدا ہوئیں۔ پیش نظر مجموعہائے مکاتیب انہیں تلخ و تیکھی حقیقتوں کی یادگار ہیں۔

یہ مراسلتی افہام و تفہیم کا سلسلہ ۱۶ رمضان ۱۳۳۹ھ کو شروع ہوا۔ اور ۲ صفر ۱۳۴۰ھ کو تمام ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولینا نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ ان کا توبہ نامہ روزنامہ ''ہمدم'' لکھنؤ ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ، ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء ص ۳ کالم ۴ کی اشاعت میں شائع ہوئی۔[۳] امام احمد رضا اس مجمل و مبہم توبہ نامہ سے مطمئن نہ ہو سکے۔ ان کا اصرار رہا کہ حضرت مولینا تفصیلی توبہ نامہ شائع کریں۔ بالآخر حضرت مولینا نے ان تمام باتوں سے تفصیلاً رجوع فرمالیا۔ جن پر امام احمد رضا کو اصرار و اعتراض تھا ع یہ تھی محبت، یہ تھے اختلافات اور یہ تھا اخلاص، دونوں بزرگوں میں۔

''الطاری الداری'' کے تینوں حصوں میں خطوط کی تعداد ۴۳ ہے، جس میں ۲۴ خطوط امام احمد رضا کے ہیں، تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

☆ حصہ اول صفحات ۵۶، خطوط ۵۔

اس میں تین خطوط حضرت مولینا ریاست علی خان شاہجہاں پوری کے ہیں۔ جو امام احمد رضا کو بھیجے گئے ہیں۔ دو خطوط مع تحریر متوسط و تحریر مفصل امام احمد رضا کے ہیں، جو مولینا شاہجہاں پوری کے نام ہیں۔ مکتوب الیہ گو مولینا شاہجہاں پوری ہیں۔ مگر مخاطب براہ راست مولینا شاہ عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ ہیں۔ تاریخی ترتیب یہ ہے:

(۱) مکتوب مولینا ریاست علی خاں بنام امام احمد رضا محررہ ۲۷ ر جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب مولینا ریاست علی خان بنام امام احمد رضا محررہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا ریاست علی خان محررہ ۱ ر رجب المرجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۴) مکتوب مولینا ریاست علی خان بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا ریاست علی خان محررہ ۲ رشعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء (مع تحریر متوسط و تحریر مفصل)

☆ حصہ دوم، صفحات ۸۸، تعداد خطوط ۱۹، امام احمد رضا کے ۱۰ حضرت مولینا عبدالباری کے نام اور حضرت مولینا کے ۹ ر امام احمد رضا کے نام ہیں۔ آئینہ تاریخ تحریر یہ ہے۔

(۱) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ ررمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۲) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۹ ررمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۲ ررمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۶ ررمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۵) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۶ ررمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۷) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۴ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۸) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۹ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۹ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۰) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۹ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۱) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۱ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۶ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۳) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۹ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۰ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۳ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۱۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۴ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۷) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۳ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۸) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۹ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

☆ حصہ سوم، صفحات ۱۳۸، تعداد خطوط ۱۹

اس میں ۱۲ رخط امام احمد رضا کے حضرت مولینا کے نام ہیں۔ اور حضرت مولینا کے ۷ رخط بنام امام احمد رضا ہے۔ ترتیب اس طرح ہے۔

(۲۰) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۱) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۹ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۲) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۱ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۲۶ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۴) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۸ رذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۲ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۷) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۳ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۸) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۵ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۸ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۰) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۰ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۱) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۴ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۳) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۷ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۳۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۳۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۳۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۶ رمحرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
(۳۷) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۵ رمحرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
(۳۸) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

''الطاری الداری'' کے تینوں حصوں میں خطوط کی تعداد ۴۳ ہوئی، مولینا ریاست علی کے ۳ رحضرت مولینا عبدالباری کے ۱۶ر اور امام احمد رضا کے ۲۴ خطوط ہوئے۔ حضرت مولینا عبدالباری کے بھی خطوط امام احمد رضا کے نام ہیں۔ امام احمد رضا کے ۲۴ رخطوط حضرت مولینا عبدالباری کے نام ہیں۔ جو حصہ دوم وسوم میں ہیں۔ حصہ اول میں مولینا شاہجہاں پوری کے تینوں خط امام احمد رضا کے نام ہیں اور امام احمد رضا کے دونوں خط مولینا شاہجہاں پوری کے نام۔

''الطاری الداری'' مع سہ حصص مفتی اعظم مولینا مصطفیٰ رضا کے قلم سے ترتیب پائی، اور ''حسنی پریس'' بریلی سے اسی زمانہ میں شائع ہوئی جب سے یہ کتاب تقریباً نایاب ہے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں انجمن ارشاد المسلمین لاہور سے نکلا تھا ۵۔ مگر ہندوستان میں دستیاب نہیں۔ ''الطاری الداری'' میں شامل خطوط رضا کی تیسری اشاعت بھی ہے۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۷ حق کی فتح مبین: مرتبہ سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی، موضوع فقہ وسیاست، صفحات ۸، مطبع صبح صادق، سیتاپور، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، تعداد مکتوب ۲۔

اس ہشت ورقی رسالہ میں صرف دو مکاتیب ہیں۔ جو ۲۳ اور ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو علی الترتیب مارہرہ کے معروف روحانی پیشوا اور مایہ ناز عالم دین سید شاہ اولادرسول کے نام ارسال ہوئے ہیں۔ اس کے موضوعات ومباحث وہی ہیں۔ جو ''الطاری الداری'' کے ہیں۔ رسالہ مذکور مطبع صبح صادق سیتاپور سے حضرت سید ارتضیٰ حسین کے اہتمام میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ذکر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم کی ایک کتاب میں بھی ملتا ہے۔ ا اس کی دوسری اشاعت نظر سے نہیں گذری۔

۸ بعض مکاتیب حضرت مجدد: مرتبہ، حضرت مولینا سید عرفان علی بیسلپور، صفحات ۱۶ مطبع حسنی پریس بریلی، تعداد مکتوب ۱۳۔

''بعض مکاتیب حضرت مجدد'' خود مکتوب الیہ مولینا سید عرفان علی نے مرتب کیا۔ حضرت مولینا حکیم محمد حسنین رضا خاں کے اہتمام میں مطبع مذکور سے شائع ہوا۔ پہلی بار اس کی تعداد اشاعت ایک ہزار تھی۔ قیمت ایک روپیہ فی نسخہ رکھی گئی تھی۔ البتہ سنہ اشاعت مذکور نہیں۔ اس میں کل تعداد خط ۱۳ رہے۔ ''شب برأت'' کے گشتی مراسلہ کے علاوہ بارہ خطوط ''مکتوبات امام اہل سنت'' مشمولہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد ۱، صفحہ ۳۰۸ تا ۳۲۰ میں بھی شامل ہیں۔ ''بعض مکاتیب'' پر سنہ اشاعت مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان خطوط کی پہلی اشاعت کون سی ہے۔ پھر یہ تمام صحائف ''مکتوبات امام احمد رضا'' صفحہ ۱۹۶ تا ۲۰۸ مرتبہ، مفتی محمود احمد قادری میں بھی منقول ہیں۔ جو ''حیات اعلیٰ حضرت'' سے عکس لیا گیا ہے۔

۹ مکتوب امام اہل سنت: مرتبہ، ملک العلماء مولینا شاہ سید محمد ظفر الدین رضوی عظیم آبادی صفحہ ۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۹۵۵ء، تعداد مکتوب ۵۷۔

''مکتوبات رضا'' کا یہ مجموعہ دراصل ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول میں، بطور ضمیمہ شامل ہے۔ جو صفحہ ۲۴۴ سے ۳۲۰ تک ہے۔ تعداد خط ۵۷ ہے۔ یہ مجموعہ اس اعتبار سے اولین اور اہم ہے کہ اس میں خطوط رضا کی اتنی بڑی تعداد سب سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں اس کی اشاعت کا سہرا مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی کے سر ہے۔ بعد میں ہندو پاک سے اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس میں شامل خطوط چار آدمیوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ تعداد و تفصیل یہ ہے۔

☆ ملک العلماء مولینا سید محمد ظفر الدین کے نام ۴۳

☆ حضرت مولینا سید عرفان علی بیسلپوری کے نام ۱۲

☆ حضرت مولینا الحاج محمد لعل خان مدراسی کے نام ۱

☆ حضرت مولینا خلیفہ تاج الدین کے نام ۱

کل میزان = ۵۷

پھر یہ مراسلات و مفوضات رضویہ مفتی محمود احمد قادری کی ''مکتوبات امام احمد رضا'' میں بھی نقل ہوئے ہیں۔ جسے ''مکتبہ نبویہ'' لاہور اور ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' بمبئی نے علی الترتیب ۱۹۸۶ء، ۱۹۹۰ء میں طبع کیے ہیں۔ ملک العلماء کے نام اصل خطوط کا عکس ''نوادرات'' کے زیر عنوان دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۰ اکرام امام احمد رضا: مرتبہ، برہان ملت حضرت مولینا محمد برہان الحق رضوی جبلپوری، صفحات ۱۶۴، مطبوعہ مجلس العلماء، مظفر پور، بہار ۱۹۹۰ء تعداد مکتوب ۳۰۔

زاہد صوفی عالم دین مولینا عبدالکریم صدیقی جبلپوری امام احمد رضا کے دوست

تھے۔ مگر دونوں میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مولینا موصوف کے نامور فرزند مولینا شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری نے امام احمد رضا سے کسب فیض کیا تھا۔ ان کے سعادت مند بیٹے حضرت مولینا محمد برہان الحق رضوی جو بعد میں ''برہان ملت'' کے لقب سے معروف ہوئے۔ امام احمد رضا کے تلمیذ رشید اور خلیفہ عزیز تھے۔ جبلپور کا یہ صدیقی گھرانہ امام احمد رضا کا گویا اپنا گھرانہ تھا۔ ''اکرام امام احمد رضا'' کے مطالعہ سے یہی تاثر ملتا ہے۔ یہ قربت و محبت ظاہر کرتی ہے کہ طرفین سے خط وکتابت کا طویل سلسلہ رہا ہوگا۔ مگر سب تو نہیں، کچھ پیش نظر مجموعہ میں موجود ہے۔

۱۹۷۱ء میں یہ مجموعہ برہان ملت کے قلم سے ترتیب پایا۔ بعد میں یہ ترتیب پروفیسر محمد مسعود احمد کی نگاہ سے گذری۔ تو جدید فن تدوین کی روشنی میں پروفیسر موصوف کے زہرہ نگار قلم نے کتابت کے رخ پر غازہ مل دیا۔ زیر نظر مجموعہ ۱۹۸۱ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور سے پہلی بار شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۰ء میں مجلس العلماء مظفرپور نے چھاپا۔ یہی طبع ثانی خاکسار کے سامنے ہے۔ تین مکتوب الیہ کے نام اس میں ۲۰ رخطوط ہیں۔ مجموعی ترتیب یہ ہے۔

(۱)	بنام شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری	۱۴
(۲)	بنام قاری بشیر الدین جبلپوری	۱
(۳)	بنام مولینا محمد برہان الحق رضوی	۵
	میزان =	۲۰

''مکتوبات امام احمد رضا'' کے مرتب نے شاہ عبدالسلام کے نام ۱۴ رخطوط کو اپنی تالیف میں نقل کیے ہیں۔ انہی کے نام سے انہوں نے چار خطوط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یوں

یہ تعداد ۱۸ رہوگئی۔ اب کل تعداد ۲۴ رہو جاتی ہے۔ میری دریافت میں اس خاندان کے نام اور بھی خطوط ہیں۔ جن کی تعداد ۳۵ رسے بھی زائد ہیں۔ جن کو میں نے اُن کی اپنی اپنی جگہ ترتیب دے دی ہے۔

۱۱ ''مکتوبات امام احمد رضا'' مرتبہ مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری صفحات ۲۰۸ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۸۶ء تعداد مکتوب ۹۱۔

امام احمد رضا کے خطوط مختلف وقتوں میں، مختلف صورتوں میں چھپتے رہے ہیں۔ ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، مجموعی شکل میں بھی اور انفرادی صورت میں بھی۔ مگر اتنی کثیر تعداد کا اور کوئی دوسرا مجموعہ نہیں۔ اس میں ۱۱ر مکتوب الیہ کے نام ۹۱ر خطوط ہیں۔ گو ان میں سے بیشتر خطوط کے مراجع و مصادر ما سبق کے مجموعے رہے ہیں۔ بلحاظ ترتیب اصل ماخذ کی رسائی کچھ اس طرح کی جاسکتی ہے۔

☆ بنام سید شاہ محمد میاں مارہروی، ۱ر خط، ماخذ، سالنامہ ''اہل سنت کی آواز'' مارہرہ مطہرہ جلد سوم ص ۲۲۔ یہ شمارہ فقیر کی نظر کے سامنے ہے۔

☆ بنام حضرت مولینا محمد محمود جان، جام جودھپوری گجرات، ۱ر خط، اس کا قلمی نسخہ فقیر کے پاس ہے۔ جسے فروری ۱۹۹۷ء میں گجرات کے دوران سفر حاصل کیا گیا۔

☆ بنام شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری، ۱۸ر خط ۱۴ر کا ماخذ، ''اکرام امام احمد رضا'' بقیہ چار مرتب کی نئی دریافت۔

☆ بنام ملک العلماء مولینا سید محمد ظفر الدین رضوی، ۴۳ر خط، ماخذ ''حیات اعلیٰ

حضرت'' جلد اول۔

☆ بنام شیخ الاسلام مولینا انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی، ۳ رخط، ماخذ ''اجلی انوار الرضا''۔

☆ بنام مولینا سید محمد علی مونگیری، ۳ رخط، ماخذ ''مراسلت سنت وندوہ''۔

☆ بنام حضرت مولینا الحاج محمد لعل خان مدراسی، ارخط ماخذ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول۔

☆ بنام حضرت مولانا خلیفہ تاج الدین لاہوری ارخط، ماخذ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول

☆ بنام حضرت مولینا سید محمد عرفان علی بیسلپوری، ۱۲ رخط، ماخذ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول یا ''بعض مکاتیب حضرت مجدد''۔

☆ بنام مولینا اشرف علی تھانوی، ۳ رخط، یہ تینوں مرتب کی اپنی دریافت ہیں۔ البتہ ۱۰ سوالات واستفسارات پر مشتمل اول خط محررہ ۲۰ رذی القعدہ ۱۳۲۸ھ کا قلمی نسخہ ناچیز کے قلمی ذخیرے میں موجود ہے۔

☆ بنام مولینا طیب عرب مکی، ۵ رخط ماخذ ''الطائب الصیب علی ارض الطیب'' رسالہ منفردہ یا فتاوی رضویہ جلد ۱۱۔

ماخذ ومراجع کی طرف یہ اشارہ میں نے قیاسا کیا ہے۔ بعید نہیں کہ مرتب موصوف کے پیش نظر خطوط کی اصل کاپیاں رہی ہوں۔ حضرت مرتب کی ''تقدیم'' اور ناظم مکتبہ نبویہ لاہور، علامہ اقبال احمد فاروقی کا مضمون بعنوان ''صاحب مکتوب'' نے کتاب کی اہمیت

کو دو چند کر دیا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا بمبئی نے ۱۹۹۰ء

میں چھاپا ہے۔

یہی اشاعت میرے پیش نظر ہے۔

زیر نظر مجموعہ کی ترتیب میں حسن ترتیب موجود نہیں۔ اس میں کئی سہو و سقم در آیا ہے۔

مثلاً صفحہ ۱۵۷ پر ''اضافات...... و...... مزید مکتوبات'' کی ذیلی سرخی سے تعداد خطوط کے

بڑھ جانے کا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ یونہی صفحہ ۱۹۶ پر ملک العلماء کی ایک وضاحتی عبارت اور

صفحہ ۲۰۸ پر ملک العلماء کا اختتامیہ بھی چھپ گیا ہے۔ اس پر سوال و جواب قائم کر کے ڈاکٹر

محمد صابر سنبھلی نے اپنے ایک مضمون میں دلچسپ بحث کی ہے۔ ۷

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی محمود احمد قادری کی کاوش و ترتیب قابل ستائش

ہی نہیں، لائق صد ستائش ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اور گھپ اندھیرے میں جگنو کی روشنی

بھی مینارۂ نور کا کام کرتی ہے۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے۔ Something is

better than nothing.

۱۲ ''مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات و تعاقبات'' مرتبہ، مفتی محمود احمد قادری ر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، صفحات ۳۳۲، تعداد مکتوب ۲۲، مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

۱۹۸۸ء۔

یہ مجموعۂ مراسلات، درصل ''الطاری الداری'' کی بہ نوع خاص جدید کاری ہے۔

جس میں صرف وہ ۲۲ رخطوط دیکھے جا سکتے ہیں۔'' جو امام احمد رضا نے حضرت

مولینا عبدالباری فرنگی محلی کو امضاء کیے تھے۔ مولینا ریاست علی خان شاہ جہاں پوری

کے نام بھیجی گئی ''تحریر متوسط و تحریر مفصل'' بھی اس میں شامل ہے۔ یہ اخذ و انتخاب حضرت مفتی محمود احمد صاحب کے حسن انتخاب کا نتیجہ ہے۔ گو اب اس کی اشاعت معیوب سمجھی جاتی ہے۔ قریب ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل پروفیسر محمد مسعود احمد کی مبسوط و محقق، مؤرخانہ، اور حقیقت پسندانہ تحریر جو ''تنقیدات و تعاقبات'' کے نام سے موسوم ہے، کتاب کی اہمیت و افادیت میں چار چاند لگاتی ہے۔ اور مباحث کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں ایک استاذ کامل کا رول ادا کرتی ہے۔ ''تقدیم'' پروفیسر فاضل زیدی نے لکھی ہے ''تقریب'' پروفیسر عبد الباری کے قلم سے نکلی ہے ''افتتاحیہ'' تجزیہ نگار کے اثر خامہ کا نتیجہ ہے اور ''ناشر نامہ'' ناظم مکتبہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے قلم بند کیا ہے۔

۱۳ **کلیات مکاتیب رضا** اول، دوم

اس کی تفصیلات اس کتاب کے حصہ ''ب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراجع و حواشی:

(۱) ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری مطبع اہل سنت والجماعت بریلی ۱۳۳۱ھ ص:۳

(۲) نوٹ: مکتوب اول اور اس کا جواب جو ''اجلی انوار الرضا'' میں ص:۵ تا ۷ پر ہے اس کا عکس کتاب ''حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی، شخصیت، علمی و ادبی کارنامے'' ص:۳۲۸، ۳۲۹ پر چھاپا گیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر کے عبد الحمید اکبر کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جس پر انہیں پونہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔ خدا معلوم کس ضرورت کے تحت ایک طویل ترین عرصہ کے بعد ۲۰۰۰ء کو مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ (شمس مصباحی)

(۳) الف، حق کی فتح مبین سید شاہ محمد میاں مارہروی مطبع صبح صادق سیتاپور
ب، الطاری الداری مولانا مصطفٰے رضا خان مطبع اہلسنت والجماعت بریلی ۲۶/۳

(۴) شمع ہدایت، مفتی محمد عبد الحفیظ، مفتی آگرہ، طبع کراچی، ص:۹۴ بحوالہ تنقیدات وتعقبات ص:۱۴۶

(۵) سید محمد جمال الدین ڈاکٹر برطانوی راج میں مذہب وسیاست مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء ص:۲۶

(۶) سید محمد جمال الدین ڈاکٹر برطانوی راج میں مذہب وسیاست مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء ص:۱۷

(۷) سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء ص:۱۹

دعوت حق، مکتوبات رضا کی روشنی میں

علامہ ارشد القادری قدس سرہ

بانی ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

(سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی شمارہ دوازدہم ۱۹۹۲ء ص: ۹۰ تا ۹۸)

☆

وقت ہوا......اذان دی

دعا پڑھی......تو حدیث کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

''جو جہاں اذان دیتا ہے، وہاں کی چیزیں کل قیامت میں ان کے حق میں گواہی دیں گی''

میں نے یہاں اذان دے کر پیڑ پودے......پربت پہاڑ

شجر حجر......چرند پرند اور فضا کو......گواہ بنالیا

یہ واقعہ پنچھی گھاٹ......دھواں دھار......جبل پور کا ہے

علماء اور احباب ہمراہ تھے

عصر حاضر میں علماء اپنے شاگردوں سے اذان دلواتے ہیں

اور مشائخ اپنے مریدوں سے

علماء و مشائخ اذان دینا کسر شان سمجھتے ہیں

لیکن وہاں آج وقت کا مجدد اذان دے رہا تھا

کون؟......امام احمد رضا بریلوی

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۵)

دعوت حق

مکتوبات رضا کی روشنی میں

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
بانی ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

میرے اس مقالے کا ماخذ ''مکتوبات امام احمد رضا'' نامی کتاب ہے۔ جسے اہل سنت کے مشہور مورخ حضرت مولانا محمود میاں صاحب قادری نے مرتب فرمایا اور جو مکل پبلی کیشنز جامع مسجد دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

اس مجموعہ مکاتب میں سے جن مکتوبات کا تعلق میرے اس مقالہ سے ہے وہ صرف چھ ہیں۔ تین مکتوبات تو وہ ہیں جو شیخ الاسلام علامہ شاہ انوار اللہ خان صاحب بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے نام لکھے گئے ہیں اور تین مکتوبات مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کے نام مرقوم ہیں۔

تعارفی تمہید کے بعد اب مقالے کے عنوان کی طرف آپ کی گرانقدر توجہ مبذول کراتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ جو لوگ امام احمد رضا کی زبان پر شدت پسندی اور تلخ بیانی کا الزام عائد کرتے ہیں، وہ عصبیت کی عینک اتار کر دیدہ انصاف سے ان خطوط کی زبان ملاحظہ فرمائیں جن کے اقتباسات ذیل میں پیش کر رہا ہے اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیں کہ دعوت کی زبان اور فتوے کی زبان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ دعوت کا تعلق مسئلے کا افہام وتفہیم سے ہے، جب کہ فتوے کی منزل اتمام

حجت کے بعد آتی ہے۔ امت کے ایک دردمند مصلح اور دین کے ایک عظیم مجدد کی حیثیت سے امام احمد رضا کو اصلاح مقاصد کے سلسلے میں ان دونوں مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ مسئلہ کے افہام و تفہیم اور دعوت کے مرحلے میں زبان کی فروتنی اور نیازمندی دیکھنے کے قابل ہے، دل اگر پتھر کی طرح سخت نہیں ہے تو پیرائیہ بیان کی لجاجت مخاطب کو پانی پانی کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن حجت تمام ہو جانے کے بعد جہاں فتوے کی زبان انہوں نے استعمال کی ہے وہ بالکل وہی ہے جو شرعی تعزیرات کے مزاج کا فطری تقاضا ہے۔

جو لوگ صرف فتویٰ پڑھ کر زبان کی سختی کا شکوہ کرتے ہیں وہ دوسرے لفظوں میں اپنے ناقص مطالعہ کا پردہ فاش کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اس زبان کا بھی مطالعہ کریں جو دعوت اور اتمام حجت کے مرحلے میں امام احمد رضا نے استعمال کی ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد اب شیخ الاسلام حضرت علامہ شاہ انوار اللہ صاحب کے نام امام احمد رضا کے خطوط کے اقتباسات پڑھئے اور زبان کی لجاجت اور عاجزی کا پیرائیہ بیان ملاحظہ فرمایئے۔

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ اذان ثانی کے مسئلے میں اپنے زمانے کے مشہور فاضل مولانا معین الدین صاحب اجمیری نے القول الاظہر کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جو امام احمد رضا کے موقف کی تردید میں تھا اس رسالہ کی پیشانی پر ''حسب حکم شیخ الاسلام حضرت علامہ شاہ انوار اللہ صاحب'' کا فقرہ مرقوم تھا۔ اس تعلق سے امام احمد رضا نے حضرت شیخ کو یہ مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا۔

پہلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بشرف ملاحظہ والائے حضرت بابرکت، جامع الفضائل، لامع الفواضل، شریعت آگاہ طریقت دستگاہ، حضرت مولانا الحاج مولوی محمد انوار اللہ صاحب بہادر بالقابہ العز۔ سلام مسنون، نیاز مشحون مجلس ہمایوں۔

یہ سگ بارگاہ بیکس پناہ قادریت غفرلہ، ایک ضروری دینی غرض کیلئے مکلف اوقات گرامی ہے۔ پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے ایک رسالہ القول الاظہر مطبوعہ حیدرآباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا۔ جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ہوگا۔

کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں اکتشاف حق کیلئے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں۔ بفضلہ عزوجل ذات والا میں وہ سب آشکار ہیں۔ علم وفضل، انصاف، عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بحمدہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہ بیکس پناہ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منھ تو کیا قابل ہاں سرکار کا کرم ضرور شامل ہے۔

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت، قلب فقیر میں ہے مولیٰ عزوجل اور زائد کرے۔ یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔

اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک کہ حق کو مالک حق واضح کرے۔ فقیر بارہا لکھ چکا اور اب بھی لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی بے تامل اعتراف حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک

عار ہے مگر عند اللہ اور عند العقلاء باعث اعزاز و وقار ہے۔ اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں۔ وللہ الحمد!

امید ہے کہ ایک غلام بارگاہ قادری طالب حق کا یہ مامول یہ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ الھم آمین بالخیر بارحم الراحمین۔

اگرچہ یہ ایک نوع جرات ہے کہ رجسٹری جواب کیلئے تین آنے کے ٹکٹ ملفوف نیاز نامہ ہیں۔ والتسلیم مع التکریم۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۷۹)

انصاف فرمائیں! شیخ اسلام مولانا انوار اللہ خاں صاحب امام احمد رضا کے بزرگوں میں نہیں ہیں۔ بلکہ معاصرین میں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نیازمندی اور فروتنی کے اظہار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ الفاظ و بیان کی لجاجت اپنی جگہ پر ہے، مزید انعطاف قلب کے لئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار واسطے بھی دیئے جا رہے ہیں۔ کلمہ حق کی سربلندی کی حرص میں کیا اس سے بھی زیادی کوئی کسی کے آگے جھک سکتا ہے۔ معاصرت کی تاریخ میں بےنفسی کا اس سے زیادہ واضح نمونہ ہمیں اب تک نہیں مل سکا۔

پھر امام احمد رضا کی یہ شان احتیاط بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ القول الاظہر کی لوح پر حسب الحکم کا دلخراش فقرہ دیکھ کر کاغذ قلم بھی سنبھالا، تو دفاع کیلئے نہیں، بلکہ یہ تحقیق کرنے کے لئے کہ حضرت شیخ کی طرف سے اس فقرے کا انتساب صحیح بھی ہے یا نہیں؟

یہیں سے امام احمد رضا کے احتساب کی یہ سرشت سمجھ میں آتی ہے کہ تحقیق کے سارے مراحل سے گزرنے کے بعد ہی انہوں نے کسی کیخلاف قلم کی تلوار اٹھائی ہے۔ اسکے پیچھے طبیعت کا کوئی جذبہ انتقام کارفرما نہیں ہے بلکہ حقائق کا تقاضا پورا کیا ہے۔

اپنے تبصرہ کے آخری مرحلے میں امام احمد رضا کے اس خط کی زبان کی طرف بھی اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہوں گا کہ یہ اسی برس پہلے کی اردو زبان ہے۔ فتوے کی زبان بھی ہم نے پڑھی ہے لیکن خط کی یہ شگفتہ عبارت پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ زبان کے مختلف اصناف پر امام احمد رضا کو کتنی عظیم دسترس حاصل تھی۔

دوسرا خط

حضرت شیخ الاسلام نے امام احمد رضا کے اسی مکتوب کا جواب چونتیس دن کے بعد عنایت فرمایا۔ حضرت شیخ کا جواب اگرچہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن جواب الجواب میں امام احمد رضا نے جو مکتوب انہیں لکھا ہے اس کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حسب الحکم کے انتساب کی صحت سے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے جواب میں امام احمد رضا کو مشورہ دیا کہ اس مسئلے میں آپ سکوت اختیار فرمائیں۔ جیسا کہ خط کے ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا اقتباس

بشرف ملاحظہ حضرت بالقابہ دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرمنامہ بعد انتظار ۳۴ دن کے بعد تشریف لایا۔ حضرت نے اس کے بارے میں ترک مکالمہ کے بعض وجوہ تحریر فرمائے ہیں۔

دوسرا اقتباس

''ایک سنی مسلمان کی غلط فہمی اور وہ بھی ایسی کہ اس کا دفع فرض خصوصا جب کہ وہ درخواست کر رہا ہے کہ میرے شبہات کی تسکین ہو جائے، میں قبول حق کیلئے حاضر ہوں۔ اس کو یہ جواب کہاں تک مناسب ہے کہ تو نہ بول یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ طلب حق میں وقت صرف کرنا بے ضرورت نہیں ہو سکتا۔ مگر نیاز مند نے حضرت سے مطارحہ نہ چاہی تھی۔

حضور پر نور سیدنا و سیدکم مولانا و مولیکم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ عظیمہ دے کر اس اجازت کی درخواست کی تھی۔ کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور کریمانہ جواب لے۔ یہ مسئول کسی طرح قابل رد نہ تھا خصوصا اس حالت میں کہ حضرت کے اسی رسالہ مجازہ کے ص ۳ میں تصریح ہے کہ سائل کا سوال رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔''

مکتوب شریف کے اس اقتباس میں خاص طور پر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ دینی مصالح پر مبنی ایک جائز درخواست کے مسترد کر دیے جانے کے باوجود اسکا کوئی ناخوشگوار ردعمل تحریر سے ظاہر نہیں ہوتا۔ تکریم و ادب کا لب و لہجہ مثل سابق اپنی جگہ برقرار ہے۔ اس خط میں ''نیاز مند'' اور ''کریمانہ جواب'' کے الفاظ جتنے عاجزانہ اور ملتجیانہ ہیں اہل ادب سے مخفی نہیں۔

تیسرا اقتباس

رسالہ القول الاظہر میں اندرون مسجد خطبہ کی اذان کی بابت اجماع کا دعویٰ کیا گیا تھا، امام احمد رضا نے اپنے جوابی مکتوب میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔

''ابھی اجماع ہی کی نسبت عرض کرتا ہے کہ اجماع کا ذکر حضرت نے اپنے

کرمنامہ میں بھی فرمایا اور واقعی اجماع ایسی چیز ہے کہ اس کے بعد پھر نزاع کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لہذا پہلے اس کی نسبت فقیر مستفیدانہ سوال پیش کرتا ہے اور الحمدللہ اکہ حضرت کے نزدیک سوال کا رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

خصوصاً سائل بھی ایک سگ بارگاہ قادری ہے جو اپنے اور حضرت کے اور ثقلین کے مولیٰ و آقا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ دے رہا ہے۔ اب حضرت جیسے غلام سرکار غوثیت، کریم النفس سے یہ سوال زنہار متوقع نہیں۔

والحمدللہ رب العالمین وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ﷺ سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ و ابنہ وحزبہ اجمعین۔"

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

۱۸ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

(مکتوبات امام احمد رضا ص:۶۸)

اس کے بعد امام احمد رضا نے اجماع کے دعوے پر بیں ایسے قاہر سوالات معروض خدمت کئے کہ وہ سوالات ہی اجماع کے دعوے کو مسمار کرنے کے لئے کافی تھے۔ لیکن افسوس کہ ان سوالات کا بھی کوئی جواب بارگاہ شیخ سے موصول نہیں ہوا۔ لیکن طالبان حق کو یہ روشنی ضرور ملی کہ حق کا احترام شخصیت کے احترام سے کہیں بالاتر ہے۔ اور اس کے ساتھ آئین جوانمردی کا یہ راز بھی آشکار ہوا کہ اگر کسی مقام پر ادب کا تقاضا اعتراض کی زبان کھولنے سے مانع ہو تو سوال کے ذریعہ بھی حقیقت تک پہنچنے کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعد تحیہ مسنونہ سنیہ۔ گزارش نیاز کی پہلی رجسٹری کا جواب تو ۳۵ دن میں مل گیا تھا لیکن اس دوسری رجسٹری کو آج سو دن کامل ہوئے ۱۸ شوال کو گئی تھی۔

آج ۲۹ محرم الحرام ہے یہ تو احتمال نہیں کہ جناب جواب سوالات پر مطلع ہو کر حق اپنی طرف سمجھ لیں اور جواب سے اغماض فرمائیں۔ کہ جناب اس رسالہ میں تصریح فرما چکے ہیں۔ کہ سوال سائل کا رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور یہ احتمال اس سے بھی بعید تر ہے کہ حق اس نیاز مند کی طرف سمجھ کر قبول سے عدول ہو کر ترک صواب ترک جواب سے بدرجہا بدتر ہے۔ جناب کے فضائل ان دونوں احتمالوں کو گنجائش نہیں دیتے۔ لاجرم یہی شق متعین ہے کہ ہنوز رائے شریف متردد ہے۔ ایسی حالت میں تاخیر بیجا نہیں۔

نگو گو اگر دیر گوئی چہ غم۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

فقیر احمد رضا عفی عنہ

۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

(مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی ص ۸۸)

اس آخری خط کا رنگ خاص طور پر ملاحظہ فرمانے کے قابل ہے کہ انتظار کی جھنجھلاہٹ میں بھی احترام و تکریم کا پیرائیہ بیان اپنی جگہ پر ہے۔ امام احمد رضا پر شدت پسندی اور سخت کلامی کا الزام عائد کرنے والے ان کے ساتھ اگر انصاف کر سکتے ہوں تو اس حسن ظن کی داد دیں کہ "لاجرم یہی شق متعین ہے کہ ہنوز رائے شریف متردد ہے۔ ایسی حالت میں تاخیر بیجا نہیں۔"

شیخ الاسلام علامہ شاہ انوار اللہ خاں حیدر آبادی کے نام امام احمد رضا کے خطوط پر میرا تبصرہ ختم ہو گیا۔ اب آپ مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوہ کے نام امام احمد رضا کے خطوں کی زبان کا خاص طور پر جائزہ لیں حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ امام احمد رضا کا اختلاف صرف علمی سطح کا تھا۔ اسی لئے تحریر میں ان کی شخصیت کی عظمت کا اعتراف سطر سطر سے نمایاں ہے۔

لیکن مولانا محمد علی مونگیری چونکہ عقیدہ کے الزام میں ملوث تھے۔ اس لئے آپ واضح طور پر محسوس فرمائیں گے کہ انکے خط میں امام احمد رضا کی تحریر کا رنگ کافی بدلا ہوا ہے۔ اس کے باوجود ''جاں پر سوز'' اور ''سخن دلنواز'' کی خوشبو سے پورا خط معطر ہے۔

پہلا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بگرامی ملاحظہ مولوی صاحب نامی مراتب، سامی مناقب مولوی سید محمد علی صاحب ناظم ندوہ ادامہ اللہ بالہدیٰ والمواہب

بعد ماہو المسنون ملتمس۔ بعض خدام اجلہ علمائے اہل سنت کے سوالات محض بنظر التفاح حق حاضر ہوئے ہیں۔ اخوت اسلامی کا واسطہ دے کر بہ نہایت الحاگزارش کہ اللہ خالص انصاف کی نگاہ سے غور کامل فرمایا جائے۔ واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرض نفسانیت ملحوظ نہیں، صرف تحقیق حق منظور ہے۔ لہذا با وصف خواہش احباب ہنوز ان کی اشاعت نہ کی کہ اگر آپ حضرات بتوفیق الٰہی جل وعلا خود ہی اصلاح مقاصد و دفع مفاسد فرمالیں تو خواہی نخواہی فشائے زلات کی کیا حاجت؟''

خط کے اس اقتباس میں پردہ پوشی اور خیر اندیشی کا یہ جذبہ خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ملزمین کو عوام کی نگاہوں میں رسوا کرنے کے بجائے خود انہیں اپنی اصلاح کا موقع

دیا جائے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود معاصرین امام احمد رضا کو جارح کہتے ہیں۔

دوسرا اقتباس

''مولانا! للہ رجوع الی الحق بہتر ہے یا تمادی فی الباطل؟ مولانا! ہم فقراء کو آپ کی ذات خاص سے علاقہ نیاز ہے۔ خود اپنے علم نافع اور فہم ناصح سے تامل فرمائیں۔ ان اغلاط کی مشارکت میں براہ بشریت خطائی الفکر واقع ہوئی ہو، تو رجوع الی الحق آپ جیسے علمائے کرام وسادات عظام کیلئے زین ہے معاذ اللہ عار وشین''

اس اقتباس میں ریشم کی طرح نرم، شبنم کی طرح لطیف وشفاف اور ورق گل کی طرح شاداب وخوش رنگ پیرائے بیان کی نزاکتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا اقتباس

''مولانا! اس وقت ہم فقراء کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے کہ بوجہ سلامت نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا ہوا ہے ورنہ عیاذ باللہ آپ کو ہرگز مخالفت واضرار مذہب اہل سنت پر اصرار مقصود نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعض اکابر علماء کی طرح فوراً بہ طیب خاطر مدافعت فرمائیں گے۔ مبارک وہ دن کہ ہمارے معزز عالم آل پاک سید لولاک اپنے جد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت اور تلبیس مبتدعین تطلیس متضمین سے بالکلیہ مجانبت فرمائی۔ الٰہی! صدقہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا ان کی آل کو ان کی سنت ان کی جماعت پر مستقیم فرما اور فریب ومغالطہ اصحاب بدع وہوا سے بچا۔

آمین یا ارحم الراحمین۔

فقیر احمد رضا عفی عنہ از بریلی ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۸۹)

دوسرا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا دام فضلکم ہدیہ مسنونہ مہداہ

نامہ نامی آیا ممنونی لایا۔ مظنون تھا کہ یہ قبل وصول نیاز نامہ صرف پرچہ سوالات دیکھ کر تحریر ہوا ہے۔ فقیر کی گزارش کا جواب اقرب الی الصواب عطا ہو گا۔ لہذا تین دن منتظر رہا۔ اب جانا کہ ساری گزارشوں کا یہی پاسخ تھا کہ سوال نہ سنیں گے۔ جواب نہ دیں گے۔"

دوسرا اقتباس

"مولانا! مکرما! بحمدہ تعالیٰ یہی جان کر تو گزارش کی تھی کہ علماء زمان سامی نہ صرف مومن بلکہ عالم صافی صوفی صفی ہیں، اسی بناء پر امید کی تھی اور ہنوز یاس نہیں کہ مذہب اہلسنت کے صریح ضرر پسند نہ فرمائیں۔ آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے، تو غور نہ فرمایا یا غور فرمایا تو انہیں تحریرات کتب ومضامین ندوہ سے نہ ملا ورنہ یہ آپ جیسے فضلا پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔"

تیسرا اقتباس

"یہ عام بد مذہبوں سے جو اتحاد، اتفاق، اختلاط امتلاف پکارا جا رہا ہے۔ اللہ احادیث واقوال ائمہ ونصوص کتب عقائد وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ کس قدر بدخواہی دین و سنت میں ڈوبا ہوا ہے۔ احادیث واقوال ائمہ تو اگر ضرورت دے گئی تو بحمد اللہ تعالیٰ یہی سن لیں گے۔ بالفعل آپ جیسے صوفی صفی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر است''

چوتھا اقتباس

مولانا! خدارا انصاف! آپ یا زید یا اور اراکین مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد و ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو و باطل جانیے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے، تو کیوں نہ مانیے۔ جس سے ظاہر کہ کافروں کے بارے میں فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین کا حکم ایک حصہ ہے تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے سے بھی زیادہ ہے۔

مولانا! اشدک اللہ باللہ العزیز الجبار و بحق دین الاسلام و بحق النبی الختام علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ پرچہ سوالات کو اول تا آخر بنظر غور صاف قلب سے ملاحظہ فرمایئے۔

پانچویں اقتباس

''مولانا! میں آپ کو سنی فاضل نہ جانتا تو بار بار یوں بالحاح گزارش نہ کرتا۔ پھر عجب عجب ہزار عجب کہ آپ نظر نہ فرمائیں یا سچے خادم سنت و اہل سنت کی گزارشوں کو معاذ اللہ تعصب و نفسانیت کے سوء ظن پر لے جائیں۔ میں شہادت رب العزت کہتا ہوں۔ وکفی باللہ شہیدا کہ فقیر کے اعتراضات زنہار زنہار تعصب و نفسانیت پر مبنی نہیں۔ صرف دین حق کی حمایت اور اہل سنت کی خیر خواہی مقصود ہے۔ بفرض باطل یہ فقیر نالائق ننگ خلائق نفسانیت بھی کرتا تو حضرت افضل العلماء تاج الفحول محب رسول مولانا'' مولوی محمد عبدالقادر بدایونی کو معاذ اللہ نفسانیت پر کیا حامل تھا۔ فرض کرو کہ آپ ان کی صفات ملکیہ سے آگاہ نہیں تو کیا استاذ المدرسین بقیہ الماہرین جناب مولانا مولوی محمد لطف اللہ صاحب کو بھی ندوہ سے تعصب و نفسانیت ہے۔

خدارا کسی ضدی عامی کی نہ سنئے اپنے سچے خیر خواہوں کی بات پر کان رکھئے۔

چلئے یہ بھی ممکانا کہ یہ سب کسی کے خیال میں نفسانیت پر ہوں مگر جو بات کی گئی ہے اس بغور تو فرمالیجئے۔''
(مکتوبات امام رضا خاں بریلوی ص ۹۲)

تیسرا خط

''مولانا! آپ کے سچے نیاز مند کو ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ باوصف یاد دہانی آیات قرآن واحکام ربانی ان محدود سوالوں کے جواب سے بھی پہلوتہی فرمائی جائے گی۔ میں پھر دستہ بستہ ہزار منتوں کے ساتھ کتاب اللہ وکتاب الرسول یاد دلاتا اور ستر سوالوں کا جواب آپ اور جملہ اراکین اوران آٹھ کا فوری جواب آپ جیسے عالم مکین سے مانگتا ہوں۔ خدارا انصافی نگاہ سے جواب دیں تو دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ حق ابھی کھل جائے گا جب تک سوالوں پر غور نہیں شب درمیان ہے۔ ان پر نظر ہو سکے وہ دیکھے آفتاب حق روشن وعیاں ہے۔''
(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۱۰۱)

اپنے ان مکتوبات گرامی میں امام احمد رضا نے جس جذبہ اخلاص خیر اندیش اور انکسار وتواضع کے ساتھ اتمام حجت کے مراحل سے اپنے آپ کو گزارا ہے۔ اس کی مثال کسی مصلح کی زندگی میں مشکل ہی سے ملے گی۔ بجائے اس کے کہ امام احمد رضا کی اس ادائے دلنوازی اور اس کرشمہ دلیری پر لوگ اپنی جان چھڑکتے اپنے محسن ہی پر طعنہ زن ہو گئے اگر امام احمد رضا کی ناز برداری یاد رکھنے کے قابل ہے تو لوگوں کی ہٹ دھرمی بھی بھولنے کی چیز نہیں ہے۔

☆

خیر کی دعوت دینے والے...... حرص میں مبتلا ہیں...... لباس ان کے اجلے ہیں

صورت بھولی...... اور چہرہ تقدس میں ڈوبا ہوا

مگر!

وہ خود یا تو حسن کے اسیر ہیں...... یا دولت کے پجاری

بیرون Bright ہے اندرون Dark

ان کا ناقص...... فاضل بے بدل ہے...... غیروں کے فاضلوں کو وہ بے سند سمجھتے ہیں

انہیں گوارا نہیں...... کہ کسی کا قد نکل آئے...... وہ ہرگز پسند نہیں کرتے

کہ کسی کا گھوڑا...... ان کے گدھوں سے آگے نکل جائے

وہ!

آواز تو دیتے ہیں، محبت کی، اخلاص کی، تقرب الی اللہ کی، عملی جہاد کی

اور جب وقت آن پڑتا ہے...... تو وہ منہ چھپا لیتے ہیں...... ریت میں شتر مرغ کی طرح

الٰہی!

یہ ہیں تیرے پاسبان حرم

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۷)

محدث بریلوی کا ذوق عبادت
مکتوبات کے آئینے میں

مفتی نظام الدین رضوی مصباحی
استاذ و صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور

(سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی شمارہ دوازدہم ۱۹۹۲ء)
ص: ۷۷تا۸۹

☆

لوگ سفر کرتے ہیں روز......

کار، موٹر، ریل، ہوائی جہاز کی ضرورت ان کی اہمیت، کب تک؟......

منزل آتے ہی...... نہ اس کی ضرورت

نہ اس کی اہمیت

سامان سفر میں مسافر، بیڑی، سگریٹ بھی رکھتے ہیں...... جو عادی ہیں

کاغذ کا ڈبہ یا پیکٹ...... بڑی عزت واہمیت کا حامل ہے

بیگ، بریف کیس میں جگہ پاتے ہیں

بیڑی سگریٹ ختم...... کھوکھا اور پیکٹ کھڑکی سے باہر

سفر ختم ہوا...... سرائے، مہمان خانے GUEST HOUSE میں قیام کیا

مدت پوری ہوئی...... ان قیام گاہوں کی اہمیت ختم ہوئی

پھر سفر شروع ہوا...... واپسی کا

زندگی سفر میں ہے...... مسلسل...... ہر سفر کی تیاری ہے...... نہیں تو صرف سفر آخرت کی

اے مسافرو!

یہ دنیا!

مستقل قیام گاہ ہے یا محض ایک مسافر خانہ؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۰)

محدّث بریلوی کا ذوق عبادت

مکتوبات کے آئینے میں

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

میں اس ذات گرامی کی زندگی کے لیل ونہار اور عملی نمونے آپ کی نگاہوں کے سامنے لانا چاہتا ہوں، جس کو میری محروم نگاہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا، لیکن اس کے مکتوبات کے جھلکتے آئینوں میں اس کے جمال جہاں آرا کا نظارہ ضرور کیا ہے اور وہ عکس ہائے رنگا رنگ دیکھے ہیں جن میں اس کی جلوت بھی ہے اور خلوت بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، سفر بھی ہے اور حضر بھی، غم والم کے جان گداز مظاہر بھی ہیں اور فرح و سرور کے دلنواز مناظر بھی، شباب کے اسوے بھی ہیں اور پیروی کے نمونے بھی۔ یہ سب اس ذات والا صفات کے پرتو جمال ہیں، بلکہ آئینۂ خدو خال ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی گہرائی میں اتر کر دیکھیے تو وہ اتباع سنت کی نور منیر شعاعیں اور ایمان کو تازگی دینے والے محبوب ادائیں ہیں، ایک ایک عکس اپنی جگہ حب الٰہی کا درآبدار ہے اور عشق رسالت کو نور گہربار، وہ خود نغمہ سرا ہیں:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

لیکن ان حقائق و معارف کا صحیح وجدان اہل بصیرت ہی حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ مجھ جیسا کوتاہ نظر، ظاہر بیں۔

حدودِ عشق کی منزل خدا جانے کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

ہم نے ان عکوس کی روشنی میں آپ کی زندگی کے شب و روز کا جہاں تک مشاہدہ کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کا ہر ہر لمحہ اور ایک ایک آن اتباع رسول کا زندہ شاہکار ہے۔ اب بطور نمونہ خاص کر آپ کے ذوق عبادت کے تعلق سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں: جن سے یہ واضح ہوگا کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں کس طرح ڈھال رکھا تھا۔

(۱) نماز کی پابندی:

نماز وہ عظیم عبادت ہے جس کا رتبہ اعمال میں سب سے بڑا ہے، سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے ''اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک'' بتایا۔

ارشاد فرماتے ہیں:

وجعلت قرة عيني في الصلاة ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ (۱)

سفر، حضر ہر جگہ، وقت پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا اور اس سے غفلت ولاپروائی پر عذاب نار کی دھمکی سنائی گئی ہے۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! اسلام میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سی چیز پیاری ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔

ومن ترک الصلاۃ فلادین لہ والصلاۃ عماد الدین (۲)

''جس نے نماز چھوڑی اس کیلئے دین نہ رہا اور نماز دین کا ستون ہے''۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ (سرکار نے تین بار یہی فرمایا اور ہر بار) صحابہ نے عرض کیا خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں! تو آپ نے فرمایا تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اسے جنت میں داخل فرماؤں گا اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا چاہوں تو اس پر رحم کروں اور چاہوں تو اسے عذاب دوں (طبرانی، سند صالح)

☆ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون ''خرابی ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں''۔

ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں۔ (بزاز ومجی السنہ) یہ اللہ کے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات طیبات ہیں جنہوں نے ایک طرف اپنی امت کو نماز کی محافظت و پابندی کا یہ درس دیا اور دوسری طرف اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز صحابہ کرام کیساتھ اس کے وقت میں ہی ادا

فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد رضا ان ہی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے اس لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے (۳) اور جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صلوا کما رائتمونی اصلی کا عکس زیبا جھلکتا ہے۔ اور سفر و حضر ہر جگہ آپ نماز کے اوقات میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سجدہ ریز نظر آتے ہیں جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔

(۱) ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے عبد الاسلام حضرت مولانا عبد السلام صاحب علیہ الرحمۃ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا، آغاز سفر کا ذکر حضرت برہان ملت علیہ الرحمۃ یوں کرتے ہیں۔

''صبح چار بجے اعلیٰ حضرت اور خادم برہان گاڑی پر (بریلی ریلوے) اسٹیشن کیلئے روانہ ہوئے، میں نے عرض کیا حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہوگی، نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی؟ اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔

''انشاء اللہ پلیٹ فارم پر''

اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے، پلیٹ فارم پر جاء نماز، چادریں رومال بچھا لئے گئے اور بعونہ تعالیٰ کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔

(۲) حضرت مولانا عبد السلام صاحب اپنے رفقاء کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کے استقبال کیلئے کٹنی تک چلے آئے تھے آگے کا واقعہ حضرت برہان ملت یوں لکھتے ہیں۔

''ٹرین چار بجے کٹنی پہنچی۔ اعلیٰ حضرت کیلئے وضو کا انتظام کیا گیا، فرمایا نماز فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا سلیمناباد میں، لیکن صرف تین منٹ گاڑی ٹھہرتی ہے حضور وضو

فرمائیں۔ خادم حاضر ہوتا ہے۔ میں انجمن کی طرف بڑھا، دیکھا ڈرائیور مسلمان ہیں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جارہے ہیں، مجھ سے مصافحہ کیا، میں نے کہا سلیمناباد میں نماز فجر ادا کرنا ہے، پوچھا کتنا وقت لگے گا؟ میں نے کہا ۱۲ یا ۱۵ منٹ۔ کہا میں لیٹ کردوں گا۔ گارڈ بھی مل گیا اس نے بھی اطمینان دلایا، گاڑی بڑے وقت پر سلیمنا باد پہنچی، پلیٹ فارم پر جانماز چادریں، رومال بچھا کر تقریباً ۳۰۰ کی جماعت ہوئی، پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہوکر گاڑی میں تشریف لائے۔(۵)

(۳) ''جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے معمولات سے حضرت برہان ملت نے ایک یہ بھی شمار کیا ہے کہ نماز کیلئے پانچوں وقت مسجد پیدل تشریف لاتے۔''(۶)

ان دنوں عبد الاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرمانے جاتے یہ قدیم کوتوالی کی طرف ہے اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے۔ ایک نحیف وناتواں کے لئے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

(۴) جبل پور سے واپس ہوکر ۲۲ رجب ۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت نے بریلی سے حضرت عبد الاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا۔ ''شب دوشنبہ ۸ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی پر آیا'' راہ میں بڑی نعمت، بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا، شاہجہانپور ۶۔۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸ کے قیام۔ مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ ۱۵ منٹ لیٹ ہوکر شاہ جہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ باطمینان تمام نماز اچھے وقت ادا ہوئی، وللہ الحمد۔ موٹر بلحاظ ہمراہیاں (جو استقبال کیلئے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بدیر مکان پر پہنچا، فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی، نماز عشاء ہوئی''(۷)

(۵) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۵۲ برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج کیا، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپ ایسے علیل ہوئے کہ دو ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے جب کچھ روبہ صحت ہوئے تو ۲۲ صفر ۱۳۲۴ھ کو زیارت روضہ انور کے لئے مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہنچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اونٹ کی سواری کی، اب آگے کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنئے۔

''راہ میں جب ''بیر شیخ'' پر پہنچے ہیں منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا۔ جمالوں (اونٹ والوں) نے منزل ہی پر روکنا چاہا اور جب تک وقت نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقاء اتر پڑے، قافلہ چلا گیا، کرچ کا ڈول پاس تھا، لیکن رسی نہیں اور کنواں بھی گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا بحمد اللہ تعالیٰ نماز ہو گئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے اتنے میل پیادہ (پیدل) کیونکر چلنا ہوگا، منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمال (اونٹ والا) محض اجنبی، اپنا اونٹ لئے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمد الٰہی بجا لایا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسا لائے؟ کہا ہمیں شیخ حسین نے تاکید کر دی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ (دیکھا کہ) میرا اپنا جمال اونٹ لئے کھڑا ہے، اس سے پوچھا، کہا کہ جب قافلے کے جمال نہ ٹھہرے، میں نے (دل میں) کہا شیخ کو تکلیف ہو گی قافلے میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔

یہ سب میرے سرکار کرم کی وسعتیں تھیں۔ صلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم وعلیہ وعلی عترتہ قدر افقہ ورحمۃ ورنہ کہاں یہ فقیر، اور کہاں سردار رابغ شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان۔ اور کہاں وحشی مزاج جمال اور ان کی یہ خارق العادات روشیں'' (۸)

سبحان اللہ! یہ ہے ذوق نماز اور شوق عبادت! کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے قرار اور بے چین ہوگیا، وقت سے نماز ادا ہوگئی تو دل کو قرار مل گیا اور جان میں جان آگئی، مہینوں کی طویل علالت اور ضعف شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت ومشقت سے بالکل بے پرواہ ہوکر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر ''احب العبادات'' نماز کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا، یہ عاشق رسول اسے ''نعمت عظمیٰ'' سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے۔ یقیناً جو چیز خدائے ذوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو، بہت ہی زیادہ پیاری ہو وہ ایک ''مومن کامل'' کے لئے ''نعمت عظمیٰ'' ضرور ہوگی۔

اور قربان جایئے۔ اتباع سنت کے اس جذبہ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہونچے تھے لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانہ خدا میں حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے میں جماعت فوت ہوجائے۔ یہ ہے نماز کی محافظت۔ اور یہ ہے شوق سجدہ۔

(۲) بیماری کی حالت میں نماز

نماز بڑی سے بڑی بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی معاف نہیں ہوش وحواس اگر باقی ہیں تو ہر حال میں اسکی ادائیگی بعض خاص صورتوں کے سوا فرض قرار دی گئی ہے البتہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں نرمی اور آسانی کا یہ لحاظ کیا گیا ہے کہ کھڑا ہونا مشکل ہو تو عصاء کے سہارے نماز پڑھو، بیٹھنے کی سکت نہ ہو۔ تو کسی چیز سے ٹیک لگالو، اس کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹے ہی لیٹے اشارے سے اس کا سجدہ بندگی بجالاؤ، ارشاد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صلی قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فان لم تستطع فعلی جنب تومی ایماء (۹) ''کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو لیٹ کر اشارے سے ادا کرو۔''

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہی رہا ہے کہ اپنی بیماری اور ضعف و کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل کی مکمل عملی تصویر تھی، قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہوکر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں، بدن میں طاقت نہیں تو عصاء کے سہارے قیام ہو رہا ہے اسی کے سہارے رکوع و سجود ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن کبھی راحت نفس کیلئے نماز نہیں چھوڑتے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمۃ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۲ ربیع الآخر ۳۴ھ) میں آپ لکھتے ہیں:

''ڈھائی سال سے اگر چہ امراض درد کمر و مثانہ وسرو غیرہا امراض کا لازم ہوگئے ہیں، قیام و قعود، رکوع و سجود بذریعہ عصاء ہے مگر الحمد اللہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے کثرت عبادت روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل تا متناہی شامل حال ، والحمد اللہ رب العالمین'' (اکرام ص ۱۲۸)

(۲) اعلیٰ حضرت کے قیام جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبدالسلام نے عرض کیا ''جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے بریلی شریف میں۔ کبھی کبھی نماز میں رکوع و سجود میں عصاء کا سہارا لینا پڑتا تھا، یہاں نہیں دیکھا۔

(اکرام ص ۹۸)

(۳) اعلیٰ حضرت اپنے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اس مرض کے ساتھ ہی شدت کھانسی وزکام اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا، کھانسی اس قدر شدت کی، اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی، یہ وہ مرض تھا کہ بائیس دن میں بازو کا گوشت صحیح پیائش سے سوا انچ گھل گیا، رانوں کا ابتدائی حصہ اتنا رہ گیا جتنے بائیس دن پہلے بازو تھے۔ شدت قبض وہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے۔ اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال (دست) شروع ہوئے۔ اس نے بالکل گرادیا۔ نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا۔ الحمد للہ کہ اب تک فرض و وتر، اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصاء کھڑے ہی ہو کر پڑھتا ہوں مگر جو دشواری ہوتی ہے۔ دل جانتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے۔ ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔ دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے پھر باذنہ تعالیٰ چلنے لگے ہے۔ (اکرام ص ۱۱۴، ۱۱۵ خلاصہ بلفظہ)

شریعت کا قانون ہے کہ جب تک مریض کسی چیز کے سہارے قیام وقعود اور رکوع وسجود پر قادر ہو اس سے نماز معاف نہیں ہے اور نہ ہی اسے رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کی اجازت ہے اس لئے آپ نفس پر مشقت وتکلیف برداشت کر کے نماز کو تمام شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر محبوب کی ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' نماز میں کوئی کمی گوارا نہیں کرتے۔ یہ اتباع سنت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس کی نظیر آج کے زمانے میں نظر نہیں آتی۔

(۳) جماعت کا التزام

احادیث کریمہ میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر بڑا زور دیا گیا ہے،

مثوثر انداز میں طرح طرح سے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کے ترک کو تعزیز شدید کا باعث قرار دیا گیا ہے ایک حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کے متعلق یہاں تک فرمایا۔

ثم اخالف الی رجال لا یشھدون الصلوۃ فاحرق بیوتھم (میں نے ارادہ کرلیا کہ) جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔ ان کے گھر ان کے سمیت آگ سے جلادوں۔

ایک حدیث میں سرکار نے فجر وعشاء کی جماعت کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

ولو تعلمون مافیھما لاتیتموھما ولو حبوا علی الرکب "اگر تمہیں نماز فجر وعشاء کا ثواب عظیم معلوم ہوجائے، تو یقیناً تم لوگ ان نمازوں کیلئے آؤ گے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر، یا پیٹ کے بل گھسیٹ کر (یعنی گرتے پڑتے) آنا پڑے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اور دوسرے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (مشاہدہ کی روشنی میں) یہ فیصلہ ہے کہ:

ما یتخلف عن الصلاۃ الا منافق قد علم نفاقہٗ ام مریض ان کان المریض لیمش بین رجلین حتی یاتی الصلوۃ نماز جماعت سے صرف دو شخص پیچھے رہتے ہیں۔ ایک تو منافق جس کا نفاق لوگوں پر ظاہر و آشکار ہو چکا ہو، اور دوسرے بیمار، بے شک بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے بیچ میں ان پر ٹیک لگا کر چلتے ہوئے مسجد میں حاضر ہوتا۔

یعنی جس مریض کی یہ حالت ہوتی کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ان کے سہارے کس طرح مسجد تک پہنچ سکے۔ وہ بھی عہد رسالت وعہد صحابہ میں مسجد میں حاضر

ہو کر شریک جماعت ہوتا اور جو مریض انتہائی ضعیف اور کمزوری کی وجہ سے اسی طور پر بھی حاضری سے معذور ہوتا وہی جماعت سے پیچھے رہ جاتا۔ یا پھر کوئی کھلا منافق ہی پیچھے رہتا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرض وصال میں ایک بار اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان فرماتی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لگن (نہانے کا برتن) میں پانی رکھو۔ ہم نے پانی رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ پھر کھڑے ہونے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو پھر وہی بات پوچھی ہم نے وہی جواب دہرایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا، کھڑے ہونے کے وقت غشی طاری ہوئی، افاقہ کے بعد پہلے ہی کی طرح سوال و جواب ہوئے غسل فرمایا، غشی آئی، افاقہ ہوا، اور اس بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا نہیں، اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ نماز عشاء کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں اس مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ خبر بھیجی کہ وہ نماز پڑھا دیں، تو انہوں نے نماز پڑھائی، بیماری کے دنوں میں وہی نماز پڑھاتے رہے۔

ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وجد من نفسه خفته فخرج بين رجلين احدهما العباس الصلوة الظهر. قال (ابن عباس) الذى كان مع العباس هو على رضى الله عنه.

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ نماز ظہر

کیلئے دو آدمیوں کے بیچ میں (ان کے سہارے) چل کر تشریف لے گئے۔ دو آدمیوں میں سے ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقام يهادى بين رجلين و رجلاه تخطان فى الارض

آپ دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر ان کے بیچ میں ادھر ادھر جھکتے ہوئے یوں چل رہے تھے کہ آپ کے قدم ناز زمین سے گھسٹ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مرض وصال کا ہے:

لما مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم منه الذى توفى فيه ان احاديث کو ذہن میں رکھ کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علی والرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا جائزہ لیجئے تو اس میں نمایاں طور پر صحابہ کرام بلکہ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا عکس جمیل جھلکتا ہوا نظر آئے گا، اور آپ محسوس کریں گے کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر ماہ رسالت اور اس کے نجوم ہدایت سے جو کسب نور کیا تھا وہ نور خود ان کی ذات انور میں جگمگا رہا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ ہے کثرت کار ہجوم افکار نزول بلایا وشدت امراض کے باعث آپ کے قویٰ کے ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ نقاہت اور کمزوری حد درجہ کو پہنچ چکی ہے، چند قدم چلنے کی بھی بدن میں طاقت نہیں رہ گئی۔ گویا۔

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں ان کی

مگر اس مرد باخدا کے عزم حوصلہ کی بلندی کا عجب حال ہے کہ وہ تمام دشواریوں، مجبوریوں اور معذوریوں کے باوجود قرب مولیٰ کے شوق میں جانب منزل یوں رواں دواں ہے کہ:

ان کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ضعف مانا، مگر اے ظالم دل
ان کے رستے میں تو تھکا نہ کرے

وہ منزل ''مسجد'' ہے جہاں اتباع رسول کا جذبہ صادق انہیں کھینچ لیے جارہا تھا، آپ بھی اس کا ایک منظر ملاحظہ کیجئے۔

''اجل نزدیک، اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ نعم الوکیل''

چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دکھنے آئی اور اس پر اطوار مختلف وارد ہوئے، ضعف قائم ہوگیا، سیاہ خیالات نظر آتے ہیں، آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں۔ اول تو مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہیں سکا، اب یہ (حال) ہے چند منٹ نگاہ نیچی کرنے سے آنکھ بھاری پڑجاتی ہے۔ کمزوری بڑھ جاتی ہے۔ پانچ مہینے سے مسائل و رسائل سب زبانی بتا کر لکھے جاتے ہیں۔ بارہویں ربیع الاول کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا نہ اللہ تعالیٰ کسی سنی کو اس میں مبتلا کرے۔ بہتر گھنٹے کامل اجابت نہ ہوئی، پیشاب بھی بند ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا مگر ضعف بدرجہ، غایت ہے، نواں روز ہے بخار کا دورہ ہوا، ضعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے مجبورانہ کئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں طالب دعا ہوں''

(۲تا۵) اس بیماری کا تذکرہ آپ کے مختلف خطوط میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، آپ نے یہ خطوط ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ جناب مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ، احمد آباد گجرات اور مجاہد کبیر حضرت مولانا حاکم علی صاحب علیہ الرحمۃ موتی بازار لاہور، پاکستان کے

ضروری استفسار یا اہم دینی مکتوب کے جواب میں ارقام فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا حاکم علی صاحب کے استفسار کے جواب میں آپ نے رسالہ مبارکہ نزول آیات فرقان، سکون زمین و آسمان تصنیف فرمائے ہیں۔ وہی کیفیت اب تک ہے اب بھی اسی طرح چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں۔

حضرت مولانا احمد بخش صاحب کے جواب میں ایک مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا ہے اس کے شروع میں تاخیر کا عذر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا، ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا، اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا، مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے فرض وتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں، باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے وہاں تک چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے ہیں اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کار رہم دستور ہیں کبھی ترقی کبھی تنزل و الحمد لله علی کل حال واعوذ بالله من حال اهل النار، حاش لله استغفر الله معاذ الله. یہ بطور شکایت نہیں بلکہ صرف معذرت کیلئے اظہار واقعیت، اس کے وجہ کریم کو حمد ابدی ہے۔

(۲) حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب (نوشتہ ۵ محرم شریف س ۳۷ھ) میں اپنا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

"۲۲ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کیلئے لوگ کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں۔

لوگ بازو پکڑ کرلے جاتے ہیں نقاہت وضعف اب بھی شدت ہے دعا کا طالب ہوں''۔

(۷) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ماہ وصال و مرض وصال میں حضرت عبدالاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی حوادث سے دوچار ہوئے آپ نے تعزیت کیلئے عدم حاضری کی وجہ ذکر کرتے ہوئے تفصیل سے اپنی جانکاہ اور انتہائی صبر آزما و حوصلہ شکن بیماریوں کا حال پر ملال لکھا ہے اسی کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے:

''شدت قبض و ہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک ہے۔۱۴رمحرم کو پہاڑ (بھوالی) سے واپس آیا لاری والے میرے احباب تھے۔مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔لاری میں میرے لئے پلنگ بچھا کر لائے اور بفضلہ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا۔یہاں جب تک آیا ہوں اتنی قوت باقی تھی کہ عشاء سے ظہر تک کی نمازوں کو چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے گئے،عصر بھی مسجد میں ادا کی پھر بخار آ گیا اور اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی۔ پندرہ روز سے اسہال شروع ہوئے۔اس نے بالکل گرادیا ہے۔آٹھویں دن جمعہ کی حاضری توضرور ہے،مکان سے مسجد تک جانے میں وہ تعب ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سنتیں بھی بدقت تمام پڑھی جاتی ہیں اور اس تکان سے عشاء تک بدن چور رہتا ہے۔نبض کی یہ حالت یہ ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔لہٰذا بادل ناخواستہ حاضری سے معذور ہوں''۔

یہ مکتوب ۹رصفر ۱۳۴۰ھ کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے املا کیا اور اس کے صرف دو ہفتہ بعد ۲۵رصفر کو ظہر کے وقت آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان خطوط کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اتباع سنت کے بے پناہ شوق تھا،کہنے کو تو وہ یہ کہتے ہیں:

حشر میں کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا

لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ

لیکن سرکار علیہ التحیۃ والثنا سے ان کی وارفتگی، عشق کا عالم یہ ہے کہ دنیا میں ہی آپ کے ایک ایک قول و فعل پر عمل کیلئے دیوانہ وار مچل رہے ہیں۔ بدن میں طاقت نہیں لیکن جماعت میں شرکت کیلئے بے چین ہیں۔ کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو کسی بھی حال میں وسعت کے باوجود جماعت سے غیر حاضری گوارا نہ تھی۔ لوگوں کے سہارے کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ یہ آمد و رفت بھی آپ کے لئے سخت کلفت و مشقت کی باعث ہے۔ یہ سب اس جذبہ شوق میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی بیماری و ناتوانی کی حالت میں دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جماعت میں شرکت ہوا کرتے تھے اور ایک دفعہ خود حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ بلاشبہ اعلیٰ حضرت کا یہ مثالی کردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اسی سنت کے اتباع میں تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ادا جو آپ کے دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جانے میں تھی کرسی پر جانے میں ادا نہیں ہوتی اس لئے اعلیٰ حضرت بسا اوقات دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر بھی مسجد تشریف لے گئے تا کہ محبوب کی وہ ادا بھی ادا ہو جائے۔

ایک عاشق کیلئے ادائے محبوب میں مشابہت کا جو لطف ہے وہ صرف متابعت میں کہاں؟

ذوق این مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اعلیٰ حضرت کے مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دنوں انتہائی ضعف اور کمزوری کی بناء پر مسجد میں حاضر نہ ہو سکے مگر یہ اس لئے تھا کہ شریعت نے بے

بسی کی حالت میں حاضری کا مکلف ہی نہیں کیا ہے خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے بھی اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے البتہ سرکار کا یہ عمل عذر کی وجہ سے بادل ناخواستہ تھا اس لئے یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد سے اپنی غیر حاضری کو دل سے گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اپنی محرومی سمجھتا ہے۔ وہ بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ اپنے قرۃ العین ودرۃ الزین (حضرت ملک العلماء) کو لکھتا ہے کہ:

''مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا''

خدا کی قسم! یہ امام احمد رضا قدس سرہ کے اتباع سنت کا وہ بے مثال نمونہ ہے جسے دیکھ کر عہد رسالت وعہد صحابہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔

(۴) صحرا میں اذان کی صدا

اذان اہم شعائر اسلام سے ہے حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے ایک حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لایسمع مدی صوت لموذن جن والانس ولا حتی الا شھد له یوم القیمه (رواہ البخاری)

''موذن کی آواز پہنچنے کے آخری مقام تک جن وانسان اور حیوانات ونباتات وجمادات سے ہر چیز جو یہ آواز سنتی ہے۔ وہ سب کے سب قیامت کے دن موذن کیلئے اس کے ایمان اور فضل وکرامت کی گواہی دیں گے۔''

ایک حدیث میں ہے:

ویشھدله کل رطب ویابس

''ہر خشک وتر موذن کیلئے گواہ ہو جاتے ہیں۔''

ایک دفعہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی بنفس نفیس اذان دی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ''درمختار میں ضیاء کے حوالہ سے ہے کہ ایک سفر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اذان دی، اقامت فرمائی، اور نماز ادا کی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز ادا کی، امام ابن حجر مکی کی تحفۃ الاسلام میں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، تو تشہد میں اشہدان رسول اللہ کہا۔ علامہ ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کا اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے، جو قابل تاویل نہیں''۔

امام احمد رضا نے اس سنت کی پیروی کا جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ بڑا ہی قابل رشک ہے۔ جمادی الاخرہ ۱۳۳۷ھ میں قیام جبل پور کے دوران ایک روز آپ سیر وتفریح کیلئے زبدا ندی تک چلے گئے۔ وہیں پر نماز مغرب کا وقت ہوگیا، اب آگے کا واقعہ حضرت برہان رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔ رقمطراز ہیں:

''بندر کودنی کے خشک ریت کے میدان میں مصلی اور رومال وغیرہ بچھالئے گئے، میں نے اذان دینے کے ارادے سے کان میں انگلیاں لگائیں کہ اذان کی آواز سنائی دی، دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اذان دے رہے تھے۔ حضرت ہی نے اقامت فرمائی اور نماز مغرب پڑھائی، فارغ ہونے پر ہم سب قدم بوس ہوئے تو اپنے دست مبارک میں خادم کا ہاتھ لے کر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے۔ وہاں کا ہر فرد شاہد اور گواہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اذان دی کہ یہاں کا بہتا ہوا دریا، پہاڑ، درخت، سبزہ اور ریت سب مجھ فقیر کیلئے شاہد ہو جائیں''۔

سبحان اللہ! بڑی قابل رشک ہے۔ یہ نیت کہ اذان کے ساتھ اس مبارک نیت کے حسین امتزاج سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب دوبالا ہوگیا۔ بلکہ بڑی بات یہ ہوئی کہ

رسول کی سنت کامل طور سے ادا ہوگئی۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نیت حسنہ سے خالی نہیں ہوتا وہ خود فرماتے ہیں۔انما الاعمال بالنیات نیۃ المومن خیر من عملہ تو آپ نے سفر میں جو اذان دی تھی، وہ یقیناً ''نیت حسنہ (جو بھی ہو) کی مظہر ہوگی، اس لئے اعلیٰ حضرت اتباع رسول میں جب سفر میں اذان کی صدائے حق بلند کرتے ہیں، تو اسے نیت حسنہ سے مزین وآراستہ کر کے بلند کرتے ہیں۔تاکہ ظاہرو باطن ہر طرح سے رسول کے اسوہ حسنہ کا کامل اتباع ہو جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اقامت فرما کر امامت بھی کی تھی۔اس لئے اعلیٰ حضرت بھی خود ہی اقامت و امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔کہ شیوۂ محبت یہی ہے کہ محبوب جو کچھ کرے محبّ وہ سب کچھ اس انداز سے بجالائے۔آپ نے یہ سبق صحابہ کرام کے مکتبہ عشق سے سیکھا ہے۔مولائے کائنات حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چوپائے پر سوار ہو کر دعا پڑھی پھر ہنس پڑے، ان سے پوچھا گیا اے امیر المومنین اس وقت آپ کے ہنسنے کی وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا (رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع کما صنعت ثم ضحک) میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایسا ہی کیا۔میں نے بھی ایسا ہی کیا پھر آپ ہنس پڑے (مطلب یہ ہے کہ میں نے اس موقعہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے دیکھا ہے اس لئے میں بھی ہنس پڑا مقصود صرف سرکار کی ادا کا لحاظ ہے اور بس) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اسی مکتب عشق کے پروردہ تھے اس لئے آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور رسول کو جیسے چلتے دیکھا اسی انداز سے چل پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو اپنا حرز جان بنالیا اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کو دین وایمان۔

راجع وحواشی

(۱) مشکوٰۃ شریف باب فضل الفقرا، بحوالہ احمد ونسائی ص:۴۴۹

(۲) فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، بحوالہ شعب الایمان، بیہقی

(۳) درج بالا تین حدیثیں فتاویٰ رضویہ جلد دوم رسالہ حاجز البحرین میں اعلیٰ حضرت نے نقل کی ہیں۔

(۴) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۶، ۸۷

(۵) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۸

(۶) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۹

(۷) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۹۹

(۸) الملفوظ حصہ دوم، ص:۳۲، ۳۳

(۹) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ باب صلوٰۃ المریض، بحوالہ بخاری وسنن اربعہ

مکاتیب رضا میں

انشا پردازی کی خوبیاں

علامہ سید وجاہت رسول قادری

صدر ادارہ تحقیقات اما احمد رضا، کراچی

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی

☆

سمندر میں صدف ہے ...... اور صدف میں موتی

ہر صدف میں موتی نہیں ہوتا ...... جس صدف میں یہ دولت ہے

وہ ہے اللہ کا انتخاب

اچھا! ہر وہ شخص ...... جو تیراک ہے یا غواص

بحری علوم سے واقفیت رکھتا ہے ...... یا بحریات کا ماہر

کیا اس کی رسائی موتی والے صدف تک ممکن ہے؟

ظاہر ہے، جواب 'نا' ہی ہوگا

قرآن سمندر ہے ...... اور حدیثیں دریا

قرآن وحدیث کے سمندر سے موتی

دینی مسائل اور ان کے رموز واسرار

ہر شخص نکال لے

یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۲)

مکاتیب رضا میں انشاپردازی کی خوبیاں

بقلم: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

مکتوب ابلاغ عامہ کا ایک ذریعہ ہے، ابلاغ یا ابلاغ عامہ کی چند تعریفیں حسب ذیل ہیں:

جارج اے مر کے بقول: ''ابلاغ کا مطلب ایک اطلاع یا پیغام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔''

ییزی کی کہنا ہے: ''دو یا دو سے زائد افراد کا ایک دوسرے کے مفہوم کو سمجھ لینا ابلاغ کہلاتا ہے۔''

ایڈورڈ ایل برنگ کے خیال میں: ''ایک معاشرے میں رہتے ہوئے افراد آپس میں جو باہمی گفتگو یا اشارہ کریں۔ ان کا یہ عمل ابلاغ کہلاتا ہے۔''

جب کہ ابلاغیات کے زیادہ تر ماہرین جس مختصر لیکن جامع تعریف پر متفق ہیں، وہ حسب ذیل ہے۔ دو یا دو سے زائد افراد کے مابین تبادلہ خیال کو ''ابلاغ'' کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ جامع تعریف کی جاسکتی ہے۔ کہ ''دو افراد کے آپس کے خیالات کا اچھی طرح سمجھنا ابلاغ ہے''۔ ابلاغ کا یہ عمل گفتگو کے علاوہ تصاویر، اشارات، حلق کی بے معنی آوازوں، مجسموں اور گرافکس وغیرہ کی مدد سے بھی مکمل

ہوسکتا ہے۔

ڈاک، ٹیلیگرام، ٹیلکس، پھر فیکس اور ای میل وغیرہ کے ذریعہ مراسلت اور پیغام رسانی سے معاشرے (بلکہ پوری دنیا) میں دوطرفہ ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خط وکتابت ایسا مؤثر ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک فرد کسی دوسرے فرد کو اپنا حال دل سناتا اور اس کی زبانی اس کے حالات سنتا ہے۔ یہ گفتگو وسیع المیاد بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے ذریعہ دشمنی دوستی میں، منافرت محبت میں اور اختلافات اتفاق میں بدل جاتے ہیں۔ تاہم اگر سننے اور سنانے والے باشعور نہ ہوں تو یہ باہمی رابطہ یا دوطرفہ ابلاغ فہمی کے سبب معکوس یا متضاد بھی ہوسکتا ہے۔

''مکتوب'' عربی لفظ ہے اس کا مادہ ''کتب'' ہے، جس کے معنی ''لکھنا'' کے ہیں، مکتوب، ''کتب'' کا اسم مفعول ہے۔ اس کے معنی خط کے ہیں۔ اس کی جمع ''مکاتیب'' ہے۔ عربی میں اس کے مترادف الفاظ ''الصحیفة'' اور ''الرِسالة'' یا ''الرّسالة'' اور ''کتاب'' بھی آتا ہے۔ اسی سے ''مراسلت'' ہے، ایک دوسرے سے خط وکتابت کرنے کو ''مکاتبہ'' یا ''مکاتب'' کہتے ہیں، انگریزی زبان میں مکتوب کو Letter اور مراسلت کو Correspondence کہا جاتا ہے۔ مکاتبہ یا مراسلت میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ایک ''مکتوب منہ'' (لکھنے والا) اور ایک ''مکتوب الیہ'' (جس کو خط لکھا جارہا ہے) ''مکتوب'' کی اگر آسان زبان میں تعریف کی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ ایک غائبانہ مکالمت یا گفتگو، ایک ایسی گفتگو جس میں مکتوب منہ اور ''مکتوب الیہ'' میں بُعد مکانی کے باوجود قرب محسوس ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خطوط کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں۔

خط کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے۔ مختلف مشاہیر ادب نے خط نویسی کی خصوصیت پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مکتوب نگاری ایک اضطراری عمل ہے اور دیگر اصناف سخن مثلا مقالہ نگاری، افسانہ نگاری، تنقید نگاری وغیرہ اختیاری عمل ہے کہ اس میں اہتمام کرنا پڑتا ہے اور مکتوب ایک قلم برداشتہ، بلا تکلف، سچی گفتگو ریکارڈ کرنے کا نام ہے۔ سر دست مکتوب نگاری کی صرف تین تعریفیں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) حسن تحریر کی وہ صنف جو تالیف و تصنیف میں نظر آتی ہے، وہ سراپائے جمال ہے جو اپنے جلوہ سر بام کا احساس رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اہتمام آرائش کرتی ہے اور حسن تحریر کی وہ صنف جو کارڈ کی چلمنوں اور لفافوں کے نقابوں میں چھپی ہوتی ہے۔ وہ اپنے جلووں سے بے پروا اور تاک جھانک کرنے والوں سے بے خبر رہتی ہے۔ اس لئے وہ تصنع و تکلف کے غازہ اور پاؤڈر اور سعی و اہتمام کی زینت و آرائش سے پاک ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی وہ ہے۔

(۲) خطوط کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دل کی آواز ہوتے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اپنے الفاظ میں خط نگاری کی تعریف کرتے ہوئے اس قول کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

''ادب میں سیکڑوں دلکشیاں ہیں۔ اس کی بے شمار راہیں اور ان گنت گھاتیں ہیں۔ لیکن خطوط میں جو جادو ہے۔ (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اس کی کسی ادا میں نہیں، نظم ہو، ناول ہو، ڈراما ہو یا کوئی مضمون، غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں بہت جلد پرانی اور بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ صرف سادگی میں ایسا حسن ہے جسے کسی حال میں اور کسی زمانے

میں زوال نہیں بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔''

(۳) یہاں ایک انگریز رائٹر ڈراؤتھی آسبرن کا خیال بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ خطوط ایسی بے تکلف اور آسان زبان میں لکھنے چاہیے، جیسے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ نہ ہونا چاہے کہ خط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہونے لگے، جیسے ہم کوئی دھواں دھار تقریرین رہے ہیں یا مشکل الفاظ سے دواتنے لدے ہوئے ہوں کہ طلسمات بن کر رہ جائیں''۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان کے اپنے خیالات ونظریات کی ترجمانی کے لئے خط سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ ابلاغ نہیں ہو سکتا۔

اس لئے کسی بھی شخصیت سے قریب تر ہونے کے لئے مکاتیب بہترین ذریعہ ہیں۔ صاحب مکتوب سے قاری کو قربت حاصل ہوتی ہے اور اس کی صاف وشفاف شخصیت نکھر کے سامنے آتی ہے۔ مکتوب مختلف نوع کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی بیسیوں اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ لیکن راقم کے خیال میں جس طرح قلم کی دو عمومی قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں:

(۱) قلم اعلیٰ اور (۲) قلم اسفل، اسی طرح مکتوب کی بھی دو قسمیں متعین کی جاسکتی ہیں (۱) علمی واصلاحی مکتوب اور (۲) خالصتاً دنیوی، تجارتی یا تخریبی مکتوب، لیکن ان دونوں قسموں کے مکاتیب کے مطالعہ میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ ان سے صاحب مکتوب کی شخصیت نگاری اور سوانح نگاری کے وافر اور بیش بہا مواد ضرور مل جاتے ہیں۔

جہاں تک مکاتیب کے اسلوب وزبان کا تعلق ہے اس کے متعلق علماء،

وناقدین ادب کا یہ خیال ہے کہ مکاتیب کی زبان سادہ اور آسان اور روز مرہ ہونی چاہیے۔کیونکہ سلاست وروانی مکتوب کا حسن ہے۔ بشرطیکہ اس میں تصنع کا عمل دخل نہ ہو۔لہٰذا جن مکاتیب میں سادگی وسلاست کا عنصر نہ ہو۔ان کو خطوط کی فہرست میں شامل کرنا ناقدانِ ادب کے نزدیک ایک عملِ نازیبا ہے۔مثلاً نیاز فتحپوری اور ابوالکلام آزاد کے خطوط کے متعلق بعض ناقدین ادب کا خیال ہے کہ یہ خطوط سے زیادہ ادبی مقالے ہیں۔

مکتوب نگاری کی ابتداء کب سے ہوئی ؟ تاریخ انسانی اس پر خاموش ہے، اس لئے اس کا مستند جواب تو ممکن نہیں، البتہ قرآن حکیم کے اس اعلان کے بموجب:

''وعلم ادم الاسماء کلها'' (اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔)

یہ بات طے شدہ ہے کہ ''قلم'' اس کی افادیت اور اس کے طریقہ استعمال کا علم سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ، السامی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ سیدی عبدالعزیز ابن مسعود باغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ''ابریز'' کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس کلام نورانی واعلام ربانی ایمان افروز کفران سوز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دو نام ہیں۔''علوی''،''سفلی''، سفلی نام تو مسمّی سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے اور''علوی'' نام سنتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسمّی کی حقیقت وماہیت کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوا اور کاہے سے بنا اور کس لئے بنا، سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاء کے یہ علوی نام تعلیم فرمائے گئے جس سے انہوں نے حسب طاقت وحاجتِ بشری اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش سے زیر فرش تک کی تمام چیزیں ہیں۔

لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی فطرت میں لوح وقلم وکتابت اور کتاب کا عرفان روز پیدائش سے ودیعت فرمادیا، چنانچہ جب سے حضرت انسان نے بولنا سیکھا اور جب سے اعجاز قلم نے اسے درختوں کے پتوں، پیڑ کی چھالوں اور جانوروں کی ہڈیوں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے کا شغل سکھایا۔ اس وقت سے ایک دوسرے کے ساتھ پیغام محبت کا تبادلہ اور خطوط نویسی کا آغاز ہوا اور یہی آغاز فروغ علم ودانش کا باعث ہوا۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر صحف کا اترنا۔ مثلاً صحف ابراہیم وصحف موسیٰ علیہما السلام، کا نزول بھی فروغ علم بالقلم کا محرک بنا۔ قرآن مجید فرقان حمید میں صحف انبیاء علیہما السلام کے علاوہ خود قلم وقرطاس، اس سے لکھنے لکھانے اور مکتوب نگاری کا بھی ذکر موجود ہے۔

(۱) وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ (العلق:۹۶:۴)

(اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔)

(قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (النمل:۲۷:۳۰)

وہ عورت بولی: اے سردار! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈال دیا گیا، بیشک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

(۳) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (الانعام:۶:۷)

اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے

چھوتے جب بھی وہ کہتے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔"

"ترمذی شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ! قلم نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا: تقدیر کو لکھ، چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی، جو گذر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔"

غرض یہ کہ مکتوبات نگاری مقدس شخصیات کا پاکیزہ عمل رہا ہے۔ قرآن وسنت اس پر ناطق ہیں، بلکہ تمام سابقہ کتب منزلہ وصحف مطہرہ بھی اس پر دلیل و برہان ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مکتوبات کریمہ سے تبلیغ دین، تعلیم وتعلم اور نفوس کے تزکیہ کا کام کیا اور اس کے معجز نما ثمرات مرتب ہوئے۔ اس کے دوامی اثرات جریدۂ تاریخ عالم میں ثبت ہیں۔

تاریخ اسلام میں آغاز ہی سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ آقا ومولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہارگانہ فرائض ووظائف نبوت، تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم الکتاب، تعلیم حکمت کی بجا آوری کے لئے اپنے مکتوبات شریفہ کو دیگر ذرائع ابلاغ کی طرح بطور آلہ استعمال فرمایا ہے جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ آقا ومولیٰ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد مکاتیب گرامی احادیث وسیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔ جن کے بعض مجموعے کتابی صورت میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ مکاتیب نبوی عموماً حسب ذیل اجزاء ترکیبی پر مشتمل ہیں:

(۱) ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(۲) بحیثیت مرسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مع ضروری صفات

اور کوئی ایسا لفظ جس سے منجانب کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

(۳) مکتوب الیہ کا نام مع لقب۔

(۴) امن وسلامتی کا مفہوم ادا کرنے والا فقرہ۔

(۵) پرزور شستہ الفاظ میں مختصر مگر جامع مضمون۔

(۶) آخر میں مہر رسالت۔

پیغام نبوی کی خصوصیات:

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں طوالت بیان، عبارت آرائی، تکلف وتصنع اور لفظ وبیان کی نمائش کے بجائے سادگی، حقیقت پسندی، بے تکلفی اور اختصار کا طرز نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت وصداقت کے انتہائی عزم ویقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے۔ اصول دین کی تبلیغ ہے۔ سیاسی اور معاشرتی معاہدے ہیں جن سے عہد نبوی کی سیاسی تاریخ واضح ہوتی ہے۔ مقبوضہ املاک کی بحالی کا وعدہ ہے۔ اسلام کے احکام ومصالح اور تشریعی مسائل وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

مکتوبات نبوی کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لئے دردمندی اور خیراندیشی کے دلی جذبات مترشح ہوتے ہیں۔ ان کا انداز بیان از دل خیزد، بردل ریزد، کی آپ اپنی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانے کے انقلابات اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود ان میں آج بھی وہی نور ہدایت اپنی پوری تابناکی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ آرا ہے، جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔

مکتوبات نبوی میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ وہ چار مشہور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مشرکین عرب، عیسائی، یہودی، اور زرتشی (مجوسی)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸۱ رمکتوب گرامی اہل سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا۔ جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ لوگ مشرف باسلام ہوکر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔

آپ نے شاہان وقت اور اپنے دور کے ''سپر پاور'' مانے جانے والے ممالک کے سربراہان کو اپنے مکتوبات شریفہ کے ذریعہ دعوت اسلام دی جن کے تاریخ عالم پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قتل وغارت گری اور دہشت گردی سے انسانیت کو چھٹکارا ملا اور امن وسلامتی کا دور شروع ہوا۔

اسلام کی بعثت سے قبل دیار عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو ''کاتب'' کہا جاتا تھا۔ مشہور ومعروف عربی قصائد ''المعلقات السبعه'' لکھ کر کعبہ شریف کی دیوار پر لٹکائے گئے تھے۔ جو تقریبا ڈیڑھ سو سال تک لٹکتے رہے۔ ظہور اسلام کے بعد چونکہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتعلم اور کتابت کو عام کرنے کا حکم صادر فرمایا: اس سے فن مکتوب نگاری کو کافی ترقی ہوئی۔ (جیسا کہ گزشتہ سطور میں میں ذکر کیا گیا) خود آقا ومولی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر مکاتیب شریفہ تاریخ نے محفوظ کر لئے، جن کی تعداد بعض محققین نے تقریبا دو سو پچاس بتائی ہے۔

آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے بھی مکتوب نگاری کی سنت کو جاری رکھا اور بذریعہ مراسلت احکام وفرامین کا اجراء کر کے عاملین حکومت، مجاہدین اسلام اور مبلغین دین کی راہنمائی فرماتے رہے۔ خلفائے راشدین مہدیین نے اس سنت نبوی پر عمل پیرا ہوکر روز افزوں وسیع سے وسیع تر ہونے والی مملکتِ اسلامیہ میں دور رس فلاحی، معاشی اور سیاسی اصطلاحات کیں۔ جس کے ثمرات رہتی دنیا تک محسوس کئے جاتے رہیں گے۔ خط ذوی العقول کو لکھے

جاتے ہیں۔ لیکن خلیفہ ثانی فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غیر ذوی العقول دریائے نیل، مصر کو خط انسانی اور مکتوب گرامی کی کرامت ہے کہ دریائے نیل خشک ہو جانے کی بیماری سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ راقم نے سفر قاہرہ کے دوران دریائے نیل کو دیکھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اب دریا کے بجائے ایک سمندر میں تبدیل ہو گیا ہے تو بے جانہ ہوگا۔ بڑے بڑے بحری جہاز اس میں گشت کرتے نظر آتے ہیں۔

خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں خط لکھنے کے لئے کاتبین مقرر کئے گئے تھے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں اس فن کو کافی عروج حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتیب خلیفہ ہارون الرشید کے نام اور امام لیث کے مکاتیب امام مالک کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب نگاری میں مشق اور دسترس حاصل کرنے کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے مکاتیب شائع کئے گئے۔ ان میں ابوبکر خوارزمی کے رسائل ''مقامات بدیع الزماں ہمدانی'' اور ابو محمد القاسم الحریری کے ''مقامات حریری'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معلم کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکتوب نگاری کی سنتِ مبارکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے ائمہ، علماء اور اولیائے کرام میں جاری وساری رہی۔ انہوں نے اپنے مکاتیب سے تبلیغ اسلام، اصلاح احوال اور تزکیہ قلوب کا کام لیا۔ علماء وصوفیاء میں امام غزالی قدس سرہ کے مکاتیب سے قبل کسی جامع مجموعہ مکاتیب کا پتا نہیں چلتا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیلمی، سامانی، غزنوی اور سلجوقی سلاطین کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اس دور میں علم وادب (عربی فارسی) کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ فن مکتوب نگاری میں بھی ترقی ہوئی۔

اس دور کے علماء وادباء میں اپنے مکاتیب کو جمع وتدوین کرنے کا ذوق پیدا ہوا۔ ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد شریف کی تباہی کے بعد جب خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوا۔ غیر عرب (عجمی) مسلم سلطنتیں، ایران، افغانستان، ممالک ماوراء النہر میں قائم ہوئیں۔ اس دور میں فارسی انشاء پردازی کو فروغ پانے کا موقع ملا۔ اس دور کے علماء میں صابی، صاحب اور عماد کاتب سے لے کر ''مثل السائر'' کے مصنف ابن عبدالکریم تک متعدد ایسے نامور انشاء پرداز گذرے ہیں، جن کے مکتوبات اور مجموعۂ مراسلت ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کیے جاتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند کے مسلمان سلاطین کے دور میں شاہی دربار کے علماء وادباء میں ''آئینہ اکبری'' کے مصنف اور مغل بادشاہ اکبر کے درباری نورتن ابوالفضل کے (فارسی) مکتوبات کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ فارسی زبان میں صوفیا نے مکتوب نگاری کی ابتدا ہندوستان کے اول مسلم سلاطین کے دور سے ہی ہوتی ہے۔ حرمین شریفین، جامعہ ازہر قاہرہ، ملک شام، عراق، ماوراء النہر، ترکی کے علمی، دینی اور روحانی مراکز سے دوری کی بنا پر صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے دینی اور اخلاقی تعلیم کے فلسفہ اور تصوف کے آداب ورموز ونکات کی تشریح وتعبیر، تبلیغ اسلام اور رشد وہدایت کے ابلاغ کے لئے مکتوب نگاری کو ذریعہ وآلہ بنایا۔ جس کے معاشرے پر نہایت اچھے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور زاہدان (بلوچستان) سے لے کر آسام وبرما کے پہاڑوں تک اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔

برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور مکاتیب محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق قادری محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ

کی اثر پذیری اظہر من الشمس ہے۔

دور اکبری و جہانگیری میں ہزاروں کی اصلاح ہوئی اور وہ مومن صادق بنے۔ ہزار ہا افراد فسق وفجور سے تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے اور ایک خدا، ایک رسول اور ایک حرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بحمد اللہ آج تک ان مکاتیب کا فیض جاری وساری ہے۔ بزرگان کرام اور صالحین امت ان مکاتیب مبارکہ سے تزکیہ قلوب اور اصلاح معاشرہ کا کام لیتے رہے ہیں اور لے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ العزیز کے "مکتوبات صدی" "مکتوبات دوصدی اور "مکتوبات بست وہشت" کی بھی ایک تاریخی، دینی، علمی اور روحانی اہمیت ہے۔ یہ انشاء پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔ ان کے علاوہ حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، حضرت عبد القدوس گنگوہی، حضرت رشید الدین فضل اللہ، حضرت مولانا عبدا لرحمٰن جامی، حضرت منیر لاہوری، حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی قدست اسرارہم کے مکتوبات وملفوظات نے بھی اپنے اپنے دور میں اصلاح معاشرہ، رشد وہدایت، تزکیہ نفوس اور سالکان راہ طریقت کی رہبری ورہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اسلوب نگارش کی دل پذیری اور ادبی محاسن کی بناء پر ہر دور کے ارباب علم ودانش کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ صوفیائے کرام کے علاوہ ہندوستان کے سلاطین وبادشاہان میں بھی بعض ایسی صوفی منش اور اہل علم شاہی شخصیات گذری ہیں جن کے مکاتیب مذکورہ خصوصیات کے حامل اور اس چمن کے سدا بہار پھول ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب عالم گیر کے "رقعات"۔

اردو میں مکتوب نگاری کی باقاعدہ ابتداء کا سہرا مرزا اسد اللہ خاں غالب

(دسمبر ۱۷۹۷ء۔ ۱۵ر فروری ۱۸۶۹) کے ماتھے ہے۔ اس سے قبل کے اردو شعراء و ادباء متقدمین کے خطوط کا پتہ نہیں چلتا۔ ادبی محاسن کے اعتبار سے مرزا اسداللہ خاں غالب کے خطوط کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ وہ اپنے مکاتیب کے بارے میں خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے"۔

ان کے خطوط کے مرتبین و ناقدین فن نے ان کے انداز نگارش کی بہت سی خصوصیات گنائی ہیں۔ لیکن ممتاز ترین خصوصیت بے تکلفی و سادگی بتائی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غالب نے اردو مکتوب نگاری کو نیا رنگ اور ڈھنگ بخشا۔ اس طرح وہ جدید اردو مکتوب نگاری کے بانی ہیں۔ مرزا غالب کے مکاتیب کے متعدد مجموعے، عود ہندی، اردوئے معلّیٰ (حصہ اول، دوم) نادر خطوط غالب، مکاتیب غالب، نوادرات غالب، خطوط غالب اور غالب کے خطوط وغیرہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

غالب کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کی ایک روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ جس نے اردو زبان و ادب کے فروغ پر مثبت اثرات ڈالے۔ جن میں بعض اہم علمی و ادبی شخصیات کے مجموعے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

سرسید احمد خان، حالی، نواب محسن الملک، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی (عنایت نامے) شبلی نعمانی، احمد رضا خان، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، خواجہ حسن نظامی، نواب مرزا خاں داغؔ دہلوی، ڈاکٹر محمد اقبالؔ، نیاز فتحپوری، مہدی افادی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، ابوالکلام آزاد ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی وغیرہم۔

۱۴ ر ویں صدی ہجری (انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی) مسلمانوں کے دور انحطاط کی عکاسی ہے۔ لیکن ان دو صدیوں میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان بعض ایسی مشاہیر شخصیات نے جنم لیا، جن کے افکار و خیالات اور نگارشات

ومکاتیب نے دینی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا اور دورِ جدید کے تقاضوں اور مہمات سے نبرد آزما ہونے کے لئے قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وقت وحالات کے مطابق بہترین لائحہ عمل اور متبادل منصوبے پیش کئے۔ ان مشاہیر میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۱۲ء) کی شخصیت سب سے نمایاں اور امتیازی خصوصیت کی حامل نظر آتی ہے۔

آپ کے علمی، دینی اور روحانی کمالات کا شہرہ آپ کے نوجوانی میں ہندوستان کے افق سے نکل کر عالم اسلام کی فضاؤں تک پہنچ گیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اہل علم وعرفان اور تشنگان علم آپ سے ملاقات اور کسب فیض کے لئے آپ کی بارگاہ میں کشاں کشاں آتے۔ حرمین شریفین اور بلاد عرب، مصر، شام، الجزائر وغیرہ کے اکابر علماء آپ سے شرف بیعت اور علوم اسلامیہ وعقلیہ ونقلیہ، قدیمہ وجدیدہ میں سند حاصل کرنے کو اپنے لئے باعث افتخار وبرکت جانتے۔ جو بالمشافہ ملاقات نہیں کر سکتے، وہ بذریعہ مراسلت آپ سے استفسارات کرتے اور دینی، علمی، تحقیقی، سیاسی اور عملی زندگی اور دیگر معاشرتی امور میں رہنمائی حاصل کرتے، بڑے بڑے مفتیانِ کرام حتی کہ مفتیانِ حرمین شریفین فقہی اشکال اور جدید مسائل میں آپ کی نگارشات سے استفادہ کرتے۔ آپ کے ان تجدیدی کارناموں اور فقہ میں اہم فیصلوں کے پیش نظر حرمین شریفین، طرابلس، شام، جامعہ ازہر وغیرہ کے بعض جید علماء اور برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش کے سیکڑوں علمائے ربانیین اور مفتیانِ فحول نے آپ کو چودھویں صدی ہجری کے مجدد کے لقب سے نوازا۔ دنیا بھر، ہندوستان، برما، چین، افغانستان، سری لنکا، حرمین شریفین، بلاد عرب، شام ومصر وطرابلس، افریقہ، امریکہ، انگلستان وغیرہ سے آپ کے

ساتھ مراسلت کے ہجوم کار کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک دن میں بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط جمع ہو جایا کرتے تھے، گویا آپ مسلمانان عالم کے مرجع تھے۔

جہاں معاصر علمائے عالم نے آپ سے بذریعہ مراسلت اکتساب فیض کیا وہاں برصغیر کے لاکھوں پڑھے لکھے (علماء، مشائخ، یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ، وائس چانسلر، وکلا، جج صاحبان) اور نیم خواندہ مسلمانوں نے خط و کتابت کے ذریعہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بایں ہمہ کثرت کار اور علمی و دینی و تصنیفی مشغولیات، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی عامی کے بھی خط اور استفسارات کا جواب نہ دیا ہو۔ یا اس کے جواب میں بلا جواز تعویق اختیار کی ہو۔ مزید یہ کہ جس نے جس زبان یا صنف ادب میں سوال کیا آپ نے اسی زبان اور صنف ادب میں جواب دیا۔ اردو، عربی، فارسی منثور و منظوم ہر طرح کے مکتوب دیکھنے میں آتے ہیں۔

آپ کے مکاتیب میں موضوعات کا تنوع کثرت سے ملتا ہے۔ قرآن و حدیث، فقہ، آثار و سیر، سلوک و تصوف، صرف و نحو، شعر و سخن، فلسفہ و سائنس، ریاضیات و فلکیات، دور جدید کے معاشی و سیاسی مسائل، غرض کہ سو سے زیادہ علوم و فنون اور موضوعات پر آپ کے کمال دسترس کے نمونے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے مکتوب کے مخاطبین میں وہ حضرات بھی نظر آتے ہیں، جو کسی ایک فقہی مسئلہ میں بھٹکتے ہوئے ہوں یا اعتقادی گمراہی یا ناہمواری کے راستے پہ چل نکلے ہوں۔ اسی طرح عبدالوہاب نجدی کی تحریک وہابیت کے مسموم اثرات کی زد میں آکر جو لوگ دینی و فکری گمراہی کا شکار ہو گئے۔ بالخصوص شاہ اسمٰعیل دہلوی قتیل بالاکوٹ (م ۱۸۳۲ء) کے متبعین اور معتقدین، ان کو متنبہ کرنے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ انہیں مرکز عشق و ایمان سید انس

وجان محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی عظمت وشان کو دل وجان سے تسلیم کرانے اور اللہ جل شانہ کی اس ''سرتاپہ قدم'' شان ہستی کا احترام بجالانے کی طرف آپ نے اپنے مکاتیب کے ذریعے بار بار توجہ دلائی اور قبول حق کی دعوت دی۔ لیکن برسوں مراسلت کے بعد بھی بعض معاندین کی طرف سے پیہم انکار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا، تو آپ نے برملا حکم شرع سنا کر ایک طرف تو دعوت وتبلیغ کی حجت تمام کی اور دوسری طرف اور یہ تجدید احیائے دین کے اعتبار سے آپ کا بہت اہم کارنامہ ہے۔ عامۃ المسلمین کے لئے ان معاندین کے مسموم اثرات سے مغلوب ہوجانے کا سدباب کرکے ان کے ایمان اور عقیدہ صالحہ کی حفاظت کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ امام احمد رضا نے بارگاہ الٰہی اور شان رسالت میں گستاخانہ عبارات کی اشاعت کی بنا پر نجدی واسماعیلی نظریات سے متاثر جن علماء کی گرفت فرمائی، ان کے نام یہ ہیں۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی (م م ۱۲۹۷ء) مولوی رشید احمد گنگوہی (م م ۱۳۲۳ء) مولوی اشرف علی تھانوی (م م ۱۳۶۳ھ) مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (م م ۱۳۴۶ھ) اور مرزا غلام احمد قادیانی (م م ۱۹۰۸ء)۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی نگارشات کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کرنے والے اہل علم وفن پر یہ حقیقت ضرور واضح ہوگی کہ آپ کے فتاویٰ (جو جدید تحقیق، ترتیب وتخریج وتحشی کے ساتھ اب تیس مجلدات میں شائع ہوچکے ہیں) رسائل، تالیفات وملفوظات وغیرہ اور اکثر دیگر علمی وفنی تصانیف کسی نہ کسی استفسار کا جواب ہیں۔ انھیں مکاتیب کے ذخیرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن استفتائی یعنی فتویٰ والے خط اور عام مراسلتی مکتوب کے درمیان زبان وبیان، اسلوب نگارش، موضوعات، ہیئت اور مکتوب الیہ ومکتوب منہ کے خیالات کے اعتبار سے بین امتیازات ہیں۔ جو اہل فن پر مخفی نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ''کلیات مکاتیب رضا'' (جلد اول) مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، صفحہ ۲۵ تا ۲۷ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی مجموعہ مکاتیب رضا اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔

یہ مجموعہ مکاتیب پہلی بار ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء میں دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا، کلیر شریف (یوپی انڈیا) کی جانب سے شائع ہوا (اور اب دوسری بار جلد دوم کے ساتھ، بحر العلوم اکیڈمی، لاہور اور مکتبہ نبویہ لاہور کی مشترکہ کوششوں سے پاکستان سے بھی شائع ہوا ہے)۔

کلیات مکاتیب رضا کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱) اس کتاب میں خطوط حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ تاریخ وار نہیں۔

۲) جلد اول، ''الف'' تا ''ظ'' تک کے خطوط پر مشتمل ہے، جبکہ جلد دوم۔ ''عین'' سے ''ی'' تک کے خطوط پر مشتمل ہے۔

۳) بقول مرتب: کلیاتِ مکاتیب رضا کی دونوں جلدوں میں کل تین سو خطوط ہیں۔ جبکہ زیر نظر مجموعہ (جلد اول) ایک سو چھپن خطوط پر مشتمل ہے۔

۴) مرتب موصوف نے ان تین سو مکاتیب رضا کے حصول وجمع کے لئے بڑی محنت ومشقت اٹھائی اور جدوجہد کی ہے برصغیر پاک وہند کے متعدد شہروں کے کئی ماہ کے سفر کیے۔ متعدد معروف لائبریریوں اور مشہور زمانہ علماء ومحققین کی ذاتی لائبریریوں کو کھنگالا، اخبارات وجرائد کی قدیم وبوسیدہ فائلوں کی ورق گردانی کی۔ ان خطوط کے ماخذ درج ذیل ہیں۔

الف: مختلف ادوار میں شائع شدہ مجموعہ مکاتیب رضا، جن میں سے بعض نایاب تھے اور یہ کل بارہ ہیں۔

ب: قدیم جرائد ورسائل واخبارات میں شائع شدہ خطوط، جن کے لئے گذشتہ تقریباً سو سال تک متعلقہ جرائد واخبارات کی فائلوں کی ورق گردانی کرنی پڑی۔

ج: فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ رقدیم ضخیم مجلدات میں شائع شدہ بشکل استفسارات خطوط۔

د: نجی لائبریریوں اور امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء کے خانوادوں سے حاصل شدہ مخطوطہ کی شکل میں مطبوعہ رغیر مطبوعہ مکاتیب۔

ر: مرتب علام ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے یہ تمام مکاتیب اپنی پی، ایچ، ڈی، تھیس بعنوان "امام احمد رضا کی مکتوب نگاری" کی تیاری کے سلسلہ میں جمع کیے۔

زیر نظر مجموعہ مکاتیب رضا (جلد اول) کی ابتداء میں "صاحب مکتوبات" کے عنوان سے دس صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ بھی شامل اشاعت ہے۔ جو آج سے تقریباً ۲۰ رسال قبل (۱۹۸۶ء) میں ایک مجموعہ "مکتوبات امام احمد رضا" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقدمہ کی بطور "قند مکرر" اشاعت کی کوئی وضاحت کسی جگہ موجود نہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس اہم اور نادر مجموعہ مکاتیب پر اس کی تاریخی، دینی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر نقد ونظر کے ساتھ ایک محققانہ مقدمہ لکھا جاتا۔ اس طرح دینی، علمی اور ادبی حلقے "کلیات مکاتیب رضا" کے مطالعے اور اس پر تحقیق کی طرف راغب ہوتے اور اردو ادب میں انشاء پردازی کے حوالے سے نئے گوشہ سامنے آتے۔

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کی ابتداء اس دن سے ہوتی ہے، جب آپ نے ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں تیرہ سال، دس ماہ اور چار دن کی نازک سی عمر میں مسند افتاء کی ذمہ

داری سنبھالی تھی۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امام صاحب کے شروع کے بارہ برسوں ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۶۹ء تا ۱۸۸۱ء کے مکاتیب وفتاویٰ جمع نہ کیے جا سکے ورنہ اس کم عمری میں مکتوب نگاری کے حوالے سے آپ کی انشاء پردازی کے جوہر بھی کھل کر سامنے آتے۔ جب امام احمد رضا نے تصنیف وتالیف اور مکتوب نگاری شروع کی تو یہ وہ دور تھا۔ جب اردو نثر کے دو مستقل اسلوب موجود تھے۔

ایک سادہ اور عام فہم اسلوب جس کی مثال میں عام طور پر فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کی کتابیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جو ڈاکٹر گلکرائسٹ کے زیر اہتمام شائع ہوئیں، اس سادہ اور عام فہم اسلوب تحریر کا ایک نمونہ انشاء کی "دریائے لطافت" ہے۔

دوسرا مقفّی ومسجع اور مغلق اسلوب تحریر جو اس دور کے عام اہل علم وقلم کے نزدیک عالمانہ انداز تھا، معمولی معمولی باتوں کو تشبیہوں اور استعاروں کی زبان میں مقفّی ومسجع عبارات کے سانچے میں پیش کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ فارسی زبان کے اس اسلوب نگارش کا پرتو تھا جو صدیوں سے ہندوستان میں رائج چلا آ رہا تھا۔ چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی۔ لہٰذا اسی اسلوب کو اپنانا اظہار علمیت کا سمجھا جاتا تھا۔

امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خصوصیات:

امام احمد رضا کے مکاتیب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو مذکورہ دونوں ہی رنگ نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جید عالم، مفسر، محدث، فقیہ بے بدل، علوم قدیمہ وجدیدہ عقلیہ ونقلیہ کے بحر بے کراں، اردو، ہندی، فارسی، اور عربی، زبانوں پر یکساں دست رس رکھنے والے تھے۔ اردو کی طرح عربی وفارسی نثر ونظم میں ان کی مشاقی اوج کمال پر تھی۔ بیان ونگارش کے محاسن ان کے دل ودماغ میں رچ بس چکے تھے۔ لہٰذا ان

کی مکتوب نگاری میں انشاء پردازی کی دونوں ہی خوبیاں جمع ہیں۔ ادب میں یہ مقام بلند ہر صاحب تحریر اور ہر اہل قلم کو میسر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کی انشاء پردازی، زبان کی لطافت، الفاظ کی موزونی، بیان کے حسن اور تراکیب کی دل آویزی سے مملو ہے۔ لفظوں کو جوڑ کر فقرے تیار کر لینا یا پیش نظر مطالب کو الفاظ کا جامہ پہنا دینا کوئی مشکل امر نہیں۔ لیکن لفظوں، محاوروں اور روزمرہ کی معنویت کے دقائق کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کا برمحل استعمال ہی اصل انشاء پردازی کا کمال ہے۔ اس تناظر میں جب اہم امام موصوف کی مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان کے انداز نگارش کی درج ذیل ممتاز ترین خصوصیات محسوس کی جاسکتی ہیں۔

۱ بے تکلفی، سادگی اور سلاست:

امام احمد رضا کی طرز نگارش کی ایک ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں۔ برجستہ لکھتے ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں، بے تکلف لکھتے ہیں، ان کے خطوط کا مطالعہ کرتے وقت یہ کہیں احساس نہیں ہوتا کہ الفاظ کے انتخاب اور مطلب کی تلاش و جستجو میں انہیں محنت کرنی پڑی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ مطالب کا جامہ پہنے قطار در قطار خود بخود چلے آرہے ہیں۔ گویا ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ ہے جو فوارے کی مانند امنڈتا چلا آرہا ہے۔ اور چشم تمنائی کو طراوت اور قلب محزوں کو مسرت بخشتا چلا جارہا ہے۔ آپ کے مکاتیب ''آورد'' کی تکالیف سے پاک اور ''آمد'' کے تسلسل کا نمونہ اور بے تکلفی اور رسم راہ سے علیحدگی کا بہترین مرقع ہیں۔ اگر مثالیں پیش کی جائیں تو مکاتیب کے ایک بڑے حصہ کو یہاں دہرانا ہوگا۔ تاہم چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) اپنی ناسازی طبع کی وجہ سے ۱۹۱۸ء کی المنک منگوانا بھول گئے۔

بعد میں یاد آئی تو اپنے شاگرد عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے اس کے بھیجنے کے لئے تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

۲۲/ ذی قعدہ سے آج ۲۲/ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱/ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں، لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعا کا طالب ہوں، اس بیماری میں المنک ۱۹۱۸ء منگائی یاد نہیں رہی، نومبر میں منگائی، جواب ملا کہ ختم ہو چکی، ۱۵/ دن بعد آئے گی جسے ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا، شملہ لکھا کہ شاید وہاں ہو، آج وہاں سے بھی جواب آ گیا، آپ نے اگر لی ہو تو ۲۰/ ۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً۔

والسلام بچیوں کو دعا۔

ملاحظہ ہوں کس قدر بے تکلف اور سادہ جملے اور جذبات کی کیسی سچی ترجمانی:

مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ نقاہت وضعف اب بھی شدت ہے۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔ ۲۰/ ۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً۔

(ب) اپنے پیرزادے حضرت سید شاہ آل رسول محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ کو مسائل شرعیہ کے ایک استفسار کے جواب کا اقتباس ملاحظہ ہو:

امامت فاسق کی نسبت علماء کے دو قول ہیں۔ کراہت تنزیہ، کراہت تحریم، اور اس کی توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے مکروہ تحریمی، جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم صلحاء وفساق، سب پر اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو کہ کس قدر آسان زبان میں مسئلہ سمجھایا اور دین متین کی تبلیغ فرمائی، بلکہ اسلامی علوم وفنون خصوصاً فقہی مسائل کو سہل اور سادہ انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ

عطا فرمایا۔ قوتِ استدلال کے ساتھ علمی بحث میں مکتوب الیہ کی علمی استعداد کے بموجب زبان وبیان کا انداز بھی پیش نظر رہے۔ پھر یہ کہ اس خط کے اس ایک جملہ کے پیچھے شرعی احتیاط اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وفلاح کا کیسا قابل قدر اور قابل اتباع جذبہ کارفرما ہے ۔ ملاحظہ ہو:

اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ "الفتنة اکبر من القتل" (یعنی فتنہ وفساد قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے۔)

(ج) سادگی اور انکساری کا ایک اور مرقع ملاحظہ ہو: اپنے شاگرد عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو ایک خط میں اپنی پچاس سالہ فتویٰ نویسی کی خدمات کا اظہار کس قدر سادہ زبان اور جذبہ انکساری اور بارگاہ الٰہی میں احساس تشکر کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۳۸۶ھ ۱۳ ربرس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کرسکتا ہے۔

احباب سے گذارش ہے کہ اس تاریخ کو جمع ہو کر درود مبارک جو حلقہ جمعہ میں پڑھا جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور درود سو سو بار پڑھیں اور مجلسِ میلاد مبارک منعقد کریں تو بہتر اور رب عزوجل کی اس نعمت کا اعلان کریں کہ قرآن عظیم میں اعلان نعمت کا حکم ہے اور حدیث میں فرمایا: اعلان نعمت شکر ہے اور جو کارروائی فرمائیں۔ فقیر کو اطلاع بخشیں کہ دعائے خیر زائد کریں۔ والسلام

ان سطور میں یہ بات بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے کہ اعلان نعمت بجالانے اور شکر نعمت ادا کرنے کا کیسا آسان مگر سب سے زیادہ اجر اور طریقہ بھی

عوام الناس کی تعلیم اور فلاح کے لئے ارشاد فرمادیا: نعت عظمیٰ سید و سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا چرچا کرو اور درود و سلام کے نذرانے پیش کرو۔ دنیا کی ہر نعمت کا شکر ادا ہو جائے گا۔ سبحان اللہ۔ اللہم صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

۲ جدت و تنوع

جدت امام احمد رضا کے نثری اور شعری کلام کی جان ہے۔ وہ عموماً کوئی بات فرسودہ انداز میں نہیں کہتے۔ انتہا یہ کہ مکتوب الیہ کو نئے نئے طریق پر مخاطب کرتے ہیں۔ دعائیہ کلمات میں بھی تنوع ہوتا ہے۔ بعض خطوط کی ابتدائی عبارات ملاحظہ ہوں:

(الف) اپنے پیر زادہ مولانا سید اولاد رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے لئے لکھتے ہیں: ''شاہزادہ خاندانِ برکات، حضرت مولانا مولوی'' ایک اور جگہ یوں مخاطب فرماتے ہیں: ''جناب صاحبزادہ والاقدر، مولانا مولوی حضرت بابرکت دامت برکاتہم''

(ب) اپنے ایک خلیفہ خاص مولانا عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے لئے لکھتے ہیں: ''مولانا کرم ذی المجد والکرم'' کبھی لکھتے ہیں: ''عیدالاسلام حضرت مولانا مولوی عبدالسلام''۔

(ج) مولانا عرفان علی علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے چہیتے مرید تھے۔ عمر میں چھوٹے تھے۔ ان کے لئے کیسے دل آویز القابات لکھتے ہیں: ''راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان سلمہ'' برادر دینی ویقینی سلمہ'' نور دیدہ راحت روان من'' وغیرہم۔

(د) مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ امام موصوف کے شاگرد خاص، مرید خاص، خلیفہ خاص اور دارالعلوم منظر اسلام کے اول طالب علم، ان کے لئے محبت ومودّت وشفقت اور تعلق خاطر کے کیسے اچھوتے زاویوں کا اظہار درج ذیل القابات

میں ہوتا ہے۔ ''حبیبی وولدی وقرۃ عینی'' ولدی وزینی وقرۃ عینی'' ولدالاعز'' ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین'' مولانا المکرم'' اے میرے لڑکے! اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہاری حفاظت فرمائے اور ہمیشہ تمہیں دین کی کامیابی عطا فرمائے''۔

۳ انداز مکالمت:

امام احمد رضا کے خطوط میں بعض جگہ غالب کی طرح انداز مکالمت بھی جھلکتا ہے۔ مولانا احمد بخش (ڈیرہ غازی خان) کے نام ایک خط میں بے تکلف انداز تکلم ملاحظہ ہو:

''فقیر دعا گو ان ایام میں ردّ وہابیہ میں پانچ رسائل لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ چار بفضلہ عزوجل پورے ہو گئے۔ پانچواں لکھ رہا ہوں۔ ان کی شدت ضرورت کے باعث کثیر استفتا تعویق میں ہیں۔ فضل الٰہی سے امید کہ اسی ہفتے اس کی تکمیل ہو جائے۔ تاخیر عریضہ ضروری ہوئی۔ اس کی معافی اور دعاء عفو وعافیت کا خواہاں ہوں۔ حاشا کہ مسائل سامیہ کو باعث تکلیف خیال کروں۔ ایسا خیال آنے سے جو تکلیف خاطر سامی کو ہوئی۔ اس کی بھی معافی چاہتا ہوں، یہ مشت استخواں ادھر کس مصرف کا کہ کسی سوال مسائل دینیہ کو تکلیف جانے''۔

ایک دوسرے خط میں موصوف مکتوب منہ کو رجم (زنا) کے ایک اہم دینی مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا المکرم! اس مسئلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ ودلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا۔ یہ ہے کہ صورت ثانی میں ان مرد وزن کا قتل محض حرام ہے۔ فقط آنے جانے، اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی۔ نہ اس

قدر خلوت کو مستلزم اور حق یہ ہے کہ مجرد خلوت، بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہرہ نے قتل نہ رکھا اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں۔ بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں، کل ذلک معلوم من الشرع بلاخفاء۔

لاجرم یہ ناحق قتل مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد، صورت اولیٰ میں بھی حکم مطلق نہیں۔ بلکہ واجب کہ پہلے زجر وضرب وقہر کریں، اگر جدا ہو جائیں، تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے۔ ہاں اشہادتِ اربعہ گذریں یا مرو جہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا۔"

ملاحظہ ہو آج کے "کاروکاری" اور "ونی" کے جو رسم و رواج سرداروں اور چودھریوں نے اپنی مرضی سے بنا رکھے ہیں اور انہیں آڑ بنا کر دیہاتی معاشرہ میں عورتوں کا خون ناحق کیا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا نے آج سے تقریباً ۸۰، ۹۰ سال قبل کتنے آسان اور سادہ الفاظ میں تفہیم کی ہے کہ شرع مطہرہ نے سیاست (سزا تعزیر وحد جاری کرنے) کا اختیار غیر سلطان کو نہیں دیا۔ بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں۔ جبکہ آج کے بہت سے نام نہاد علماء ومفتیان، غیرت وحمیت اور قبائلی رسم و رواج کی آڑ میں اس بری رسم کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد حسین مرحوم کو ایک خط میں مکالمت کا تیور ملاحظہ ہوں:

"مولانا اکرمکم اللہ تعالیٰ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کا بھلا کرے۔ مجھے فکر تھی کہ آپ کو خط کہاں لکھوں، چند امور گذارش ہیں، ملحوظ رہیں۔

(۱) نقل بہت صحیح ہو اور مقابلہ بہت غور سے ہو۔ بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے۔

(۲) جب تک کتاب نقل ہو، آپ کتاب میں سے مصنف کا نام ونشان دیکھ کر مجھے فوراً لکھ بھیجیں اور اول یا آخر میں کتاب کی تاریخ ہو، تو وہ بھی۔

(۳) امام عینی کی بنایہ شرح ہدایہ جہاں اور جس قیمت کو مل سکے، ضرور خرید لیں۔

(۴) مولوی عبدالحی کا فتاویٰ تیسری بار کتب فقہیہ پر مرتب ہو کر چھپا ہے، وہ بھی لے لیجیے۔

(۵) جو خط اس کے نام لے گئے ہیں، اس کے قلم سے اس کا جواب کاتب خط کے نام لکھوا لیجیے۔

(۶) اس سے کہیے کہ اگر آپ جاتے ہیں، تو مجھے مولوی عبدالباری صاحب یا مولوی محمد یوسف صاحب سے ملا کر نقل کا انتظام کروا دیجیے۔

(۷) اس کا بھی پتہ چلا لیجیے کہ اس شخص نے کہاں کہاں پڑھا ہے، کس کس کے استاذ ہیں، ساکن کہاں کا ہے، قوم کیا ہے؟۔

(۸) ان سب کاموں کے لیے جس قدر روپیہ درکار ہو، فوراً لکھیے کہ میں ان شاء اللہ فوراً روانہ کروں۔

(۹) جالب ایڈیٹر ”ہمدم“ کی آپ کی ملاقات ہے۔ وہ بھی عبدالماجد بی، اے، کے اسلام کا حامی ہے، جس نے وہ ملعون صریح کلمات کفر بکے کہ رسول کا ماننا کچھ ضرور نہیں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ مجہول النسب بچہ اور یہ کہ اپنی تعظیم کی آیتیں حضور نے قرآن میں بڑھا لیں وغیرہ وغیرہ۔

میرے فتویٰ کے خلاف ”ہمدم“ و ”مشرق“ نے مضمون دیئے ہیں، ان کا جواب لکھا ہوا رکھا ہے۔ اگر آپ کے ذریعہ ممکن ہو، تو ”ہمدم“ اپنے روزانہ پرچے میں

اسے تمامہ چھاپ دے، چاہے اس کے بعد اس کی نسبت کچھ بھی لکھتا رہے۔ تو میں وہ مضمون آپ کو بھجوادوں۔ والسلام، ۱۳۳۷ھ"۔

اس خط میں محققین، مصنفین اور ناقلین اصل متن عبارات کے لئے کس قدر مفید اور جامع ہدایات ہیں۔ اس پر بھی ذرا نظر رہے۔

۴ ذات وماحول:

امام احمد رضا کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اثنائے تحریر ذاتی حالات اور ماحول کی جزئیات بے ساختگی کے ساتھ بیان کرجاتے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ان کی سوانح حیات کا ایک منظر نامہ سامنے آسکتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ کب اور کتنی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ کتنے برسوں سے فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آباء واجداد میں کون حضرت کتنی مدت سے یہ فقہی خدمات انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی صحت کے حالات کیسے ہیں، کن کن بیماریوں سے واسطہ ہے، کیا علاج تجویز ہے، آخری عمر میں ضعف کس رفتار سے ترقی کرتا رہا، نظم ونثر کی اصلاح کا طریقہ کیا ہے۔ ذاتی اور ملکی حالات کیسے جارہے ہیں۔ ملکی سیاست کے احوال کیا ہیں۔ کون کون ان کے سیاسی حریف ہیں۔ کون لوگ ان کے حلیف ہیں رات دن کی مشغولیات کیا ہیں اور ان کا کیا حال ہے اخلاق کیسا تھا کن مقامات کے سفر کئے۔ عمر کے آخری حصہ میں رمضان کے روزے رکھنے کن شہروں یا قصبوں میں جاتے تھے، قیام جس جگہ ہوتا تھا۔ قیام گاہ تنگ تھی یا وسیع، ان کے وسائل معاش کیا کیا تھے۔ کن کن لوگوں سے تعلقات تھے۔ تلامذہ اور خلفاء میں کون کون سی شخصیات اہم تھیں۔ کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ دینی اور سیاسی امور میں کن کن علماء اور عمائدین سیاست سے اختلافات تھے اور اس کی نوعیت کیا تھی۔ مسجد میں کون کون سی

نمازیں با جماعت ادا کرتے تھے۔ حالت بیماری میں نماز کس طرح ادا کرتے تھے۔ کن کن مقامات پر تبلیغ و وعظ کے لے جاتے رہے۔ کون کون سی کتاب تصنیف و تالیف ہوئیں اور موضوعات کیا ہیں۔ کون کون سے سیاسی معرکے ہوئے۔ کون کون سے علمی معرکے ہوئے۔ کن کن اخبارات میں ان کے بیانات اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ غرض ان کی زندگی کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو، جس کے متعلق ان کے قلم سے معلومات کا گراں بہا ذخیرہ فراہم نہ ہوا ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب معلومات غیر اختیاری طور پر دوران تحریر مکاتیب میں لکھی گئیں۔ اس میں ان کے قصد و ارادے کا کوئی دخل نہیں۔

مولانا خلیفہ تاج الدین صاحب کے نام ایک خط میں مولانا ظفر الدین بہاری کا تعارف کراتے ہوئے علم توقیت کے احیاء کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامۃ المسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا''۔

امام احمد رضا کے عہد میں ''علم توقیت'' کے جاننے والے معدوم ہو رہے تھے۔ اس لئے یہاں انہوں نے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام بلاد کے حوالے سے بات کی دوسری طرف اس علم کے سیکھنے سکھانے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ جہاں انہوں نے اس علم میں اپنی مہارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہیں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی، یہ کہ مسلمانوں کو ایسے سائنسی علوم کو جن سے دین کی سمجھ میں آسانیاں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں سہولیات بہم پہنچتی ہیں، سیکھنا اور سکھانا اہم امر ہے۔

ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کے ایک خط بنام مولانا برہان الحق صاحب میں کانگریس اور گاندھوی فرقے کے امام الہند ابوالکلام آزاد صاحب کے دو رسالے ''خلافت'' اور

''جزیرۂ عرب'' کی بعض عبارات پر امام احمد رضا نے سخت تنقید کی ہے۔ ان کے رد میں شائع ہونیوالے ایک مختصر رسالہ ''تارغ الشور عن سوالات جبلفور'' کا ذکر کیا ہے۔ ابوالکلام صاحب کو موصوف نے مسٹر آزاد سے خطاب کیا ہے۔ تحریک خلافت اور ترک موالات کے اہم مسئلہ پر ان کے طریقہ کار سے امام احمد رضا نے سخت اختلاف کیا اور منصب نبوت سے متعلق مذکورہ دو رسالوں میں ان کے بعض خیالات وعقائد کا رد کرتے ہوئے اسے صراحتاً کفر قرار دیا ہے۔ اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''مسٹر آزاد حضرت سیدنا مسیح علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فقط صاحب شریعت ہونے سے ہی منکر نہیں، بلکہ راساً ان کی نبوت ہی سے منکر ہیں اور نہ صرف ان کی نبوت بلکہ جملہ انبیاء کرام، حاملان توریت وغیرہ کہ صاحب شریعت جدیدہ نہ تھے۔ جن کی گنتی اللہ ورسول ہی جانتے ہیں۔ بحکم حدیث شریف ایک لاکھ سے زائد تھے۔ آزاد صاحب ان سب کی نبوت سے کفر انکار رکھتے ہیں''۔

۱۳ر نومبر ۱۹۱۲ء بروز جمعہ امام احمد رضا کے سگے بھانجے مولانا حافظ واجد علی خاں صاحب انتقال کر گئے اور ان کے تیسرے دن ان کے بھتیجے مولانا مولوی فاروق رضا ابن استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد ان کے دوست صوفی دلاور حسین خاں صاحب دنیا سے رخصت ہوئے۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مولا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ میں اس غم آگیں واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

''فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا۔ شب بستم (۲۰) ذی الحجہ الثلثا (منگل) بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا۔ ان کے تیسرے دن بستم دوم (۲۲) ذی الحجہ یوم الخمیس (جمعرات) وقت ظہر

میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضا خاں مرحوم نے ۱۷برس کی عمر میں بعارضہ وبائی صرف دوروز علیل رہ کر مفارقت کی۔ اب شب بست پنجم (۲۵) محرم الحرام لیلۃ الثلاثاء (منگل) بعد مغرب میرے احب احباب واعز اصحاب، جوان صالح، ورع متقی، محب اہل سنت، عدوئے بدعت واہل بدعت، سنی، مستقل، مستقیم، قائم مصداق، لایخافون لومۃ لائم، دلاور حسین خاں مرحوم مغفور، ساکن جواہر پور نے بعمر ۳۷ر سال بعارضہ وبائی، صرف ۱۰ر روز علیل رہ کر داغ فراق دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

اخبار دبدبہ سکندری، رامپور نے اپنی ۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں اس حادثہ جانکاہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا کے صبر واستقلال کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اور پورے واقعہ کی منظر کشی کی ہے، جس سے ان کی ذات اور اس وقت کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔

۵ جزئیات نگاری:

امام احمد رضا کے مکاتیب کی ایک خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ مفصل بیان عام طور پر بے لطف ہو جاتے ہیں۔ لیکن امام موصوف جزئیات کو اس ڈھنگ سے پیش فرماتے ہیں کہ تحریر بے مزہ نہیں ہوتی، بلکہ پر لطف بن جاتی ہے اور قاری پوری تحریر پڑھے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔

(الف) مولانا عرفان علیہ الرحمہ کو ایک خط میں جو بھوالی (ضلع نینی تال) سے لکھا گیا تھا۔ قصبہ بھوالی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"بھوالی، شہر درکنار کوئی گاؤں بھی نہیں، پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں

اور مسافروں کے ٹھہرنے کے معدود مکان اس میں جمعہ وعیدین نہیں ہو سکتے۔ نینی تال شہر ہے۔ اس میں صرف دو مسجدیں ہیں۔ ایک چھوٹے بازار اور دوسرے بڑے بازار میں، جہاں میرے احباب اہلسنت رہتے ہیں۔ اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔ سنیوں نے مدت سے اس کے پیچھے نماز چھوڑی ہے۔ صوفی عنایت حسین صاحب کی دکان میں جمعہ وعید پڑھتے ہیں۔ مجھے انہی احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا۔ اسی دکان میں مدت سے جمعہ ہوتا ہے۔ میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا۔ اس کے بعد بھوالی چلا آیا اور اب جا کر نماز عید پڑھائی۔ عید تو عید جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔ مکان، دکان، شہر کے میدان سب میں ہو سکتا ہے۔ سب احباب کو سلام، والسلام"۔

اس خط میں بھوالی بستی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ یہاں صرف یہی نہیں بتایا کہ چند مکانات اور دکانیں ہیں، بلکہ تفصیل بھی پیش کی ہے کہ پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے قیام کے لئے گنے چنے مکانات ہیں گویا بھوالی میں کس جگہ دکانوں اور مکانوں کا اجتماع ہے۔ یہ بھی بتا دیا۔ اسی کے ساتھ توضیحی نثر کی بھی جھلک دکھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ چونکہ یہ بستی، قصبہ یا شہر کی شرعی تعریف میں نہیں آتی۔ اس لئے یہاں نماز جمعہ اور عیدین نہیں ہو سکتی۔ نینی تال کی بھی دو مسجدوں کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ وہاں کے دو بازاروں کے متعلق بھی پتہ چل جاتا ہے۔ پھر مزید اطلاع یہ ملتی ہے کہ بڑے بازار کی مسجد کے قرب وجوار میں اہل سنت کی آبادی ہے۔ لیکن اس مسجد میں ایک دیوبندی امام آ گیا ہے اس لئے اہل سنت نے مدتوں سے وہاں نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے۔ یہ تفصیل بتا دی کہ امام احمد کے ایک شناسا صوفی عنایت حسین صاحب جن کی اسی بڑے بازار میں ایک دکان ہے۔ اب تمام اہل سنت ان کی دکان میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ صوفی عنایت حسین صاحب اور ان

کے دوستوں نے آپ کو رمضان المبارک کے دوران جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نینی تال بلایا تھا۔ پھر دوبارہ نماز عید بھی انہی لوگوں کے بلاوے پر آپ نے پڑھی۔ اس تحریر میں ایک دینی مسئلہ کی بھی توضیح ملتی ہے کہ نماز عید وجمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے۔ مکان، دکان، میدان سب جگہ نماز ہو سکتی ہے۔ یہ مکتوب بیانیہ اور توضیحی نثر کا خوبصورت امتزاج ہے۔

۶ منظر کشی:

امام احمد رضا نے اپنی دینی، علمی وتحقیقی مصروفیات کی بناء پر سیر وتفریح پر کم توجہ دی ہے، کیونکہ آپ کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور تبلیغ دین میں گذرتا تھا۔ سیر وتفریح کے لئے فرصت کی ضرورت ہے۔ آپ وقت کے قدردان تھے۔ زندگی کو اللہ عزوجل کی امانت سمجھ کر اس کا ایک لمحہ اس کی رضا کی خاطر گذارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نگارشات میں منظر کشی کی کم مثالیں ملتی ہیں۔ پھر بھی بعض خطوط میں منظر کشی اور واقعہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ سر دست ایک خط کا ذکر کیا جاتا ہے، جس سے اعلیٰ حضرت کی منظر کشی اور واقعہ نگاری کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خط آپ کے خلیفہ خاص مفتی عبد السلام جبل پوری کے نام ہے۔

''شب دوشنبہ ۱۱ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی آیا۔ راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا۔ شاہ جہاں پور ۶۔۳۲ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف آٹھ منٹ قیام، مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ ۱۵ لیٹ ہو کر شاہجہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان نماز اچھے وقت ادا ہوئی۔ والحمد للہ۔

اسٹیشن بریلی پر ہجوم احباب بکثرت تھا۔ وہابیہ خذلہم نے کہ اخبار موحشہ

ازار بھی تھیں۔ وغبا بالوفہم۔ موٹر کو براہ شہر کہنہ پر لے گئے اور ہانکہ میں حتی الامکان شر البقاع اسواقہا سے نفور ہوں۔ بازاروں میں لائے۔ بیچ میں کمپنی باغ کی ٹھنڈک سڑک پڑی، جس کے دونوں پہلو عجب خوشنما وسایہ دار، ہموار، اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی۔ موٹر بلحاظ ہمراہیاں بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بدیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی۔ نماز عشاء ہوئی۔ پھر گیارہ بجے تک غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا ہجوم رہا۔ گیارہ بجے کچھ کھانا کھایا۔ بارہ بجے سے بخار آ گیا۔ دو بجے بہت سردی معلوم ہوئی۔ پلنگ اندر لایا گیا۔ رضائی اوڑھی اور سردی نہ جاتی تھی۔ دوسرے دن بفضلہ عزوجل اور ببرکت دعائے جناب، پسینہ خوب آیا اور بخار اتر گیا۔ تیسرے دن پیاس اور درد کی شدت رہی۔ کل روز چہار شنبہ سب دنوں سے زیادہ کرب رہا۔ آج بفضلہ عزوجل بہت اعراض زائل ہیں اور درد سر میں اتنی تخفیف کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں''۔

اس خط میں امام احمد رضا نے جبلپور ریلوے اسٹیشن سے بریلی شریف تک کے سفر کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچی ہے کہ شاید رنگ وروغن بلکہ ویڈیو سے بنائی ہوئی تصویر میں نہ وہ جزئیات سما سکیں اور نہ اس میں وہ روح تاثیر پیدا ہو۔ انہوں نے اردگرد کے ماحول کی جو منظر کشی کی ہے اور اس کی جزئیات بیان فرمائی ہیں، وہ ان کے مشاہدے کی وسعت پر دال ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ رننگ کمنٹری فرما رہے ہیں۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار سفر حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس ہوئے تو بذریعہ ٹرین ممبئی سے اجمیر شریف ہوتے ہوئے جبلپور پہنچے اور وہاں اپنے خلیفہ خاص عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے ہاں کچھ روز قیام کے بعد بریلی شریف واپس لوٹے۔ زیر بحث خط میں امام احمد رضا نے مولانا جبل پوری کو

بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچنے کی اطلاع دی تھی، لیکن آپ کا یہ مکتوب محض گھر پہنچنے کی رسید نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑی تفصیل سمو دی گئی ہے۔ مثلاً بریلی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین پہنچنے کا پہر، دن اور وقت، (شب دوشنبہ، ۸ بجے) استقبال کے لئے آنے والے محبین کا اژدہام، حج سے واپسی سے قبل وہابیوں کی طرف سے آپ کی ذات سے متعلق بیہودہ افواہ کا پھیلانا، کثیر ہجوم کا آپ کو موٹر (کار) پر بریلی شریف کے پرانے علاقوں کے بڑے بازاروں سے بشکل جلوس گزارنا وغیرہ، خط کی ابتداء میں شہر شاہجہاں پور پر ٹرین کے پہنچنے کا اصل وقت اور پھر وہاں تاخیر سے پہنچنے کا ذکر، وہاں ٹرین کا وقت سے زیادہ ٹھہر جانے کا معاملہ، لیکن سب تفصیل ضمناً بتائی۔ اصل خوشخبری میں امام احمد رضا کی ورع۔ خشیت الٰہی، تقویٰ اور سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا اعلیٰ جذبہ جھلکتا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو: ہجوم کثیر کے باعث موٹر کار کا آہستہ اور خراماں خراماں بدیر دولت کدے تک پہنچنا، راستہ میں جلوس کی شکل میں بازاروں سے گزرتے ہوئے بریلی شہر کے پرفضا ماحول کی ان الفاظ میں منظر کشی: ''بیچ کمپنی باغ کی ٹھنڈک سڑک پڑی جس کے دونوں پہلو خوشنما سایہ دار، ہوادار اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی''۔ مکان میں داخل ہونے سے قبل مسجد میں نماز عشاء ادا کرنا پھر مکان پر غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا نعت و منقبت و میلاد میں مشغول رہنا۔ شب گیارہ بجے، بعد اختتام جلسہ رات کا کھانا تناول فرمانا۔ رات بارہ بجے بخار آجانا۔ دو بجے رات سردی لگنا۔ اور پلنگ کمرے کے اندر لایا جانا۔ یہ سب اور چند دیگر تفاصیل کو تجریدی سے زیادہ حقیقی بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جزئیات تک کا بیان جس حسن و خوبی سے کیا گیا ہے، وہ اردو زبان و ادب کی انشاء پردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب نے اس خط میں میں اپنے شاگرد و پیش کے ضمن میں

پر اثر انداز میں تاثرات بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً: اول شب بخار، پھر آخر شب سردی میں مبتلا ہونا اور اگلے دن پسینے کے ساتھ بخار کا اتر جانا۔ جسے اللہ تعالیٰ کے کرم اور اپنے محبوب دوست مولانا عبد السلام کی دعا کی تاثیر قرار دینا۔ بیانیہ نثر کے ساتھ تاثراتی نثر کا بھی ایک اچھا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر میں ان کے اخلاص اور پیکر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی تصویر بھی غیر ارادی طور پر کھنچ گئی ہے، خوبصورت ماحول، ٹھنڈی سڑک، پرفضا موسم، قطار در قطار سڑک پر دورویہ اشجار کی تصویر کشی تو کی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن بڑے بازاروں سے گزرنے کے باوجود وہاں کے ہنگاموں اور رنگینیوں کا بالکل ذکر نہ کرنا، بلکہ ایسے عام ماحول سے اپنی رغبتی اور بے التفاتی کے اظہار میں یہ کہہ کر گزر جانا کہ میں ''شر البقاع اسواقہا سے نفور ہوں'' سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی استقامت کا مظہر ہے، پھر خط میں جگہ جگہ نماز باجماعت کا التزام ذکر قرآنی کا حکم: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۝ (النحل:۱۶/۱۵۵)

(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ۔ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، کنز الایمان) کا بہترین نمونہ ہے۔ مزید یہ کہ اس خط کے ایک ایک جملے سے اپنے محبوب دوست کی دلداری اور احترام ٹپک رہا ہے۔

۷ نکتہ آفرینی:

(۱) اعلیٰ حضرت اپنی اخاذ طبیعت، زبان و بیان اور لغات مختلفہ اور الفاظ و محاورات پر دسترس کی بنا پر موقع بہ موقع اپنی تحریر و گفتگو میں لطیف نکتہ بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے اور سننے والے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مثلاً تحریکِ ترک

موالات کے خلاف امام صاحب ایک ضخیم رسالہ ''المحجة الموتمنه فی آیات الممتحنة'' لکھنے میں مشغول تھے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

آپ کا رسالہ بالاستیعاب اب تک ان وجوہ سے نہ دیکھ پایا۔ متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا کثیرا، اچھا ہے۔ مگر مشائخ بہار کی طرف سے یہ تاویل کہ انہوں نے کوئی دنیوی کام سمجھ کر اتباع رائے مشرکین جائز رکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آئی۔ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت، جن کا پس روان گاندھی کو ادعا ہے۔ کیا کوئی دنیوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اونچے اڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے مسلمان ہی نہیں، تو اسے نہ صرف کار دین بلکہ ضروریات دین جانتے ہیں''۔۲۰

(۲) انہی مولانا ظفر الدین صاحب کے نام ایک اور مکتوب میں نکتہ آفرینی کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں:

''خط ملا۔ یہ نعمت تازہ (بیٹی کی ولادت) مبارک ہو۔ اس کا وہ نام رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ یعنی حضرت ربیع بنت مسعود انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہما الرضوان کے نام مبارک پر ''ربیع خاتون ۱۳۳۹''۔۲۱

(۳) وہابیہ کے عقائد کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''کیوں وہابیو! ہے کچھ دم؟ ہاں ہاں تقویۃ الایمان اور براہین قاطعہ کی شرک دانی لے کر دوڑیو، مشرک مشرک کی تسبیح بھانجیو، کل قیامت کو کھل جائے گا کہ مشرک، کافر، مرتد، خاسر کون تھا۔ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر۵۴:۲۶)

(بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا۔ کنزالایمان)

''اشر'' بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ''اشر قولی'' کہ زبان سے بک بک کرے۔

(۲) ''اشر فعلی'' کہ زبان سے چپ اور خباثت سے باز نہ آئے۔

وہابیہ اشر قولی اور اشر فعلی دونوں ہیں۔

قاتلھم اللہ انّٰی یؤفکون (التوبہ، ۹:۳۰)

(اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں)

(۴) امام احمد رضا کی نکتہ آفرینی کا شاہکار ایک وہ خط بھی ہے، جو آپ نے مولانا شاہ سید محمد آصف رضوی صاحب علیہ الرحمہ کو اپنی ایک نعت جس کا ایک شعر ہے:

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل
روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

میں بیان کردہ بعض نکات کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا تھا۔ پورا خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ چند جملے ملاحظہ ہوں:

''اگر آپ آفتاب اور دھوپ کو دیکھیں، تو فرق حقیقت وتجلی کی ایک ناقص مثال پیش نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقت شمس ہے اور دھوپ اس کا جلوہ حقیقت صفات کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے۔ حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی ایک تجلی ہے۔ کعبہ کی حقیقت وہ جلوہ ہے۔ مگر وہ جلوہ عین حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے۔''۲۳

(۵) مولانا ظفر الدین بہاری کو ایک اور مکتوب میں درج ذیل نکتہ آفریں

جملہ لکھتے ہیں:

''میں جن امور میں ہوں اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے۔ مگر آپ کی یاد دل کے ساتھ ہے، جو عظیم ساعت میسر ہوئی۔ محض عطیہ الٰہی تھی۔ اس میں یہ نقوش تیار کئے جو مرسل ہیں۔''۲۴

۸ شکوہ اور معذرت:

اعلیٰ حضرت کا انداز شکوہ معذرت بھی بڑا دلنشیں اور پر لطف ہوتا ہے۔ درج بالا اقتباس میں معذرت ایک لطیف پیرائے میں اظہار آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب اپنے ایک عزیز شاگرد (مولانا ظفر الدین بہاری) سے انداز شکایت بھی ملاحظہ ہو:

''پہلے ایک پلندہ ''اباۃ المتواری'' وغیرہ کا آپ کو بھیجا گیا تھا، وہ نہ پہنچا، اب مدت ہوئی، ''وقایہ اہل سنت'' وغیرہ اشتہارات کا پلندہ بھیجا۔ اس کی رسید اب تک نہ آئی، اس کی تفتیش کیجئے کہ پلندے کہاں ضائع ہوتے ہیں۔ ایک خط آپ کو جواب مسائل میں بھیجا تھا۔ وہ آپ کو نہ ملا، رجسٹری مرسل تو وہ بھی ہر شخص لے سکتا ہے لہٰذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔''۲۵

ایک ایک لفظ پڑھیں۔ کس محبت بھرے انداز میں اپنے عزیز شاگرد کو تنبیہ فرما رہے ہیں۔ ڈانٹ ہے۔ اظہار غصہ بھی، لیکن کوئی لفظ اخلاق سے گرا ہوا نہیں۔ اپنے تلمیذ کی عزت نفس کا کس قدر پاس ہے۔ آخر میں ان کی کوتاہی کی جو سزا تجویز کی ہے وہ خالی از حکمت نہیں یعنی بغیر ٹکٹ کے خط کے وصولی کہ بیرنگ ہونے پر ارسال لازمی، ان شفقت بھرے الفاظ کو پڑھ کر مخاطب، سعادت مند شاگرد بے اختیار پکار اٹھا ہوگا۔

کتنے شیریں ہیں ترے لب......

امام احمد رضا کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سخت سے سخت مخالف کو بھی

خطاب کرتے وقت زبان وبیان کی شستگی، شائستگی وشگفتگی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور دل آزار الفاظ کے استعمال سے حتی المقدور گریز کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیر نظر ''کلیات مکاتیب رضا'' میں دیوبندی حضرات کے حکیم شیخ اشرف علی تھانوی صاحب (م ۱۳۶۲ھ) اور ان کے فقیہ النفس شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب (م ۱۳۲۳ھ) کو تحریر شدہ خطوط دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں ان خطوط سے نمونہ چند اقتباسات تفنن طبع کے لئے تحریر کئے جاتے ہیں۔

شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب نے کوے کو حلال قرار دیا تھا اور ایسی جگہ جہاں کوا کھانے کو لوگ ناجائز، حرام سمجھتے ہوں، وہاں اس کے کھانے پر اجر وثواب کا فتویٰ بھی دیا تھا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت سے بھی استفسار کیا گیا اور گنگوہی صاحب کی تائید میں شائع شدہ دو رسائل اشاعت شدہ اکتوبر ۱۹۰۲ء بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے بھیجے گئے۔ اس ضمن میں مزید تحقیق اور وضاحت کے لئے اعلیٰ حضرت نے جناب گنگوہی صاحب کو ایک تفصیلی خط ۷ رشعبان المعظم ۱۳۲۰ھ کو لکھا، جس میں آپ نے نفس موضوع پر چالیس سوالات قائم کر کے ان کے جوابات مانگے تھے۔ گنگوہی صاحب نے اس تفصیلی استفسار کے جواب میں محض ایک پوسٹ کارڈ پر چند سطریں لکھ کر بھیج دی تھیں اور ان تمام چالیس سوالات کے جوابات سے یہ کہہ کر گریز کیا تھا کہ ہمیں اس مسئلہ (کوے کے حلال ہونے) پر کوئی شک نہیں کیونکہ ہم نے مکمل تحقیق کے بعد یہ فتویٰ دیا ہے، امام احمد رضا نے ایک مفتی اور عالم دین کی حیثیت سے اپنا فرض ادا نہ کرنے اور قائم کردہ سوالات کا جوابات دینے سے پہلوتہی کرنے پر گنگوہی صاحب کو دوبارہ خط لکھا اور انہیں یاد دلایا کہ ان کے جوابات دینے سے پہلوتہی کرنے پر گنگوہی صاحب کو دوبارہ خط لکھا اور انہیں یاد دلایا کہ ان کے جوابات دینا ان کا فرض منصبی

ہے۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، جس سے شکوہ سنجی کے علاوہ ان کی انشاء پردازی کی دیگر خصوصیات بھی نمایاں ہیں۔''۲۶

۱) بنظر خاص مولوی رشید احمد گنگوہی سلم علی المسلمین اجمعین،

آپ کا کارڈ مشعر رسید مسائل مرسلہ فقیر آیا عجلتِ ارسال رسید باعثِ مسرت ہوئی۔ مگر ساتھ ہی جواب دینے سے انکار پر حسرت، میری اپنی مخالفت اصول عقائد میں ہے، جس میں فقیر بحمد ربہ القدیر جل جلالہ یقیناً حق و ہدیٰ پر ہے''۔

۲) ''مگر یہ مسئلہ دائرہ محض فرعی فقہی ہے۔ فقہ میں فقیر بحمدہ تعالیٰ حنفی ہے۔ اور آپ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تو ان مسائل کو ان دلائل پر قیاس کر کے پہلوتہی کرنے کی حاجت نہیں، آپ کا جواب کہ ''نہ مسئلہ حلت غراب موجودہ دیار میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے۔ جس کے دفع کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت'' سوئے اتفاق سے سخت بے محل واقع ہوا۔ فقیر نے کب کہا تھا کہ کوے کے مسئلہ میں آپ حالتِ شک میں ہیں، بلکہ صاف لفظ تھے کہ بغرض رفع شکوک عوام و تمیز حلال و حرام خاص آپ سے بعض امور مسئول اور آپ کی نسبت یہ الفاظ تھے''۔

''نگاہ انصاف ہو تو یہ جواب بے محل نہیں بلکہ برعکس آیا۔ آپ اس مسئلہ میں برعکس ہوتے تو یہ جواب کچھ قرین قیاس ہوتا'' کہ میں اس میں کیا کہوں۔ میں خود تردد اور شک میں پڑا ہوں'' اور جب کہ آپ کو حکم شرعی تحقیق ہے، شبہ و خلجان اصلاً باقی نہیں''۔

شکوہ سنجی کا یہ خط کافی طویل ہے۔ زیر نظر کتاب کے صفحہ ۲۶۴ سے ۲۷۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کو مطالعہ فرمائیں۔ اس کے ہر جملہ، ہر لفظ اور ہر سطر سے شائستگی، شستگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک طویل علمی و فقہی خط جو ہندوستان کی ایک

عظیم عبقری، فقہی، علمی وادبی شخصیت کی جانب سے لکھا گیا۔ اس کے جواب میں مخالف گروہ کی ایک مستند علمی شخصیت کا نہایت مختصر، توہین آمیز اور مخاطب کو مشتعل کردینے والا جواب، مگر اس کے باوجود نفیس موضوع سے گریز کئے بغیر نہایت شستہ اور شائستہ لب ولہجہ میں مدِّ مقابل کو خطاب کرتا امام احمد رضا کی نہایت متوازن، سلیم الطبع، حلیم وکریم اور قرآن حکیم کے الفاظ میں: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ (ال عمران ۳:۱۸)

(اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہوکر، کنز الایمان) اولوالعلم انصاف پسند شخصیت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

اس خط میں شکوہ سنجی کے شستہ الفاظ کے علاوہ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے جن دیگر محاسن کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خط کشیدہ الفاظ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ''عجلتِ ارسال رسید پر مسرت ہوئی۔ مگر ساتھ ہی جواب نہ دینے پر حسرت'' کس قدر بلیغ معانی کا جملہ ہے۔ صنعت تضاد کا نمونہ ہے۔ مسرت کا اظہار فرما کر ایک طرف مکتوب الیہ کی دلجوئی کی جارہی ہے اور حکمت وموعظتِ حسنہ کے ساتھ اس کو دعوت حق کی طرف بلانے کی کوشش بھی جاری ہے۔ دوسری جانب لفظ حسرت کا استعمال کرکے اس کے اندر سوئے ہوئے ''عالم دین'' کو خواب غفلت سے جگایا جارہا ہے، اور حمایت دین کی طرف راغب کیا جارہا ہے، اسی طرح ''نگاہ انصاف'' ''بے محل'' اور ''برمحل'' الفاظ کا استعمال کرکے مکتوب الیہ کے ضمیر کو بیدار کرنے کی سعی حسن ہے۔ اس مکتوب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے امت رضی اللہ عنہم کی عزت وعظمت کے بارے میں کس قدر غیرت مند اور ان کی شان بیان کرتے وقت

الفاظ کے انتخاب میں کس قدر محتاط اور منتخب واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً حلت غراب (کوا) کے بارے میں مذکورہ اشتہاری کتابچہ میں گنگوہی صاحب کے معتقدین نے لکھا تھا کہ ''حضرت مولانا گنگوہی بشر ہیں اور بشریت سے اولیاء کیا، انبیاء علیہم السلام بھی خارج نہیں''۔

یہاں چونکہ گنگوہی صاحب کی بشریت اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت میں برابری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اس لئے امام احمد رضا نے گنگوہی صاحب کی توجہ اس طرح مبذول کراتے ہوئے انہیں تنبیہ کی ہے کہ ''ایسی جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے''۔ اور شفاء شریف کی ایک عبارت پیش کر کے آگاہ کیا ہے کہ اس کا قائل مستحق تعزیر شدید ہے، یہ خط امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خوبیوں کا نمونہ ہے۔ سادگی وسلاست کے علاوہ جگہ جگہ مقفّیٰ عبارات نے ایک عجیب لطف پیدا کر دیا ہے جسے پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً:

(۱) ''مسلمانوں میں اختلاف پڑا ہے۔ آتش خصام شعلہ زاں ہے۔''

(۲) ''آپ پر لازم ہے کہ حق ان پر واضح کیجئے نہ کہ بعد سوال بھی جواب نہ دیجئے''۔

(۳) ''آپ اس مراسلہ فقیر کو مسئلہ دائرہ میں سوال سائل سمجھے۔ یا الا ولا، کچھ نہ کھلا''۔

(۴) ''وہی تقدیر ثانی یعنی گمان مناظرہ اس پر بھی یہ جواب نہایت عجاب''۔

(۵) ''پھر انگلوں پر ایسا تیقن کہ مطلق شبہ نہیں۔ مزید تحقیق کی کوئی ضرورت

نہیں۔ مناظر کی بات سنیں گے بھی نہیں، یعنی، چہ، کیا، الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن نہیں۔ کیا آپ یا آپ کے اساتذہ کی اٹکل میں غلطی ممکن نہیں"۔

(۶) "یا آپ اور آپ کے اساتذہ بشریت سے بالکل خالی سہی۔ یہ خطا بھی فقہا ہی کے ماتھے جائے۔ شاید انہوں نے الو کی طرح کوے کو بھی حلال لکھ دیا ہو۔ مناظر کے کلام سے کشف خطا ہو۔ اس کی بدولت حق کی معرفت عطا ہو"۔

(۷) "اور واقعی قبول کرنے میں سارا بار اپنے سر آتا تھا اور قبول نہ کرنے میں معتقدین کا دل دکھتا تھا۔ بلکہ اپنا ہی ساختہ پرداختہ باطل ہوتا تھا۔ ناچار سوا اس انکار کے علاج کیا تھا"۔

(۸) "لیکن یہ کون سی سعادت مندی ہے کہ بلا سوچے سمجھے ایسے پیر مغاں، فقیہ مسلم پر اعتراض کر بیٹھے، وا ورے زمانہ غافل و مدہوش میں یہ شور و خروش اور پیر مغاں درخواب خرگوش"۔

(۹) "آپ متداولہ درسیہ سے کوا حلال ہونے کا ادعا اسی وقت تک سزا ہے کہ جواب سوالات سے دامن کھینچا ہے۔ نمبروار ہر سوال کا جواب صاف صاف بے پیچ وتاب دیتے ہیں"۔

(۱۰) "آپ فرماتے ہیں صرف یہ کارڈ آپ کے رفع انتظار کے لئے بھیجا ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ حاجت تو کوا کھانے کی بھی نہ تھی۔ اب کہ واقع ہو لیا۔ مسائل شرعیہ کا جواب دینے کی ضرور حاجت ہے"۔

(۱۱) "میں آپ سے پھر گزارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے سے رفع اختلاف بھلا ہے۔ آپ کا معتقد گروہ دوسرا قرآن سے کہے تو نہیں سنتا۔ آپ کی

بے دلیل کی سنتا ہے اور وہ بھی خود اشارے اشارے میں کہہ چکا کہ ہمارے مولوی سے ملے ہو جانا اولی ہے اور اب تو آپ کو پچاس برس سے یہ مسئلہ چھان رکھنے کا ادّعا ہے۔ آپ نے اساتذہ سے بھی تحقیق کر لینا لکھا ہے۔ دوسرا آپ سے وضوح حق کے لئے سوالات شرعیہ کر رہا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حق بیان فرمانے کا عہد لیا ہے"۔

درج بالا اقتباسات مکتوب نگار کی بذلہ سنج وخوش مزاج طبیعت اور طنز و مزاح کے ستھرے ذوق کے آئینہ دار بھی ہیں، جو ایک صحت مند ادب کی روایت ہے۔ ایک جید عالم دین اور فقیہ شہیر کی تحریر کی یہ خوبیاں اس کے بلند ادبی ذوق کی عکاس بھی ہیں، حالانکہ فقہا اور علماء کے مکاتیب کی زبان عموماً ان محاسن سے مبرا، دقیق اور مغلق طرز نگارش کا نمونہ ہوتی ہے۔

۹ اختصار و ایجاز:

امام احمد رضا ایک عبقری شخصیت تھے۔ وقت کے قدر دان تھے۔ دیگر علمی نگارشات کی طرح ان کے مکتوبات بھی جامعیت اور ایجاز و اختصار کی خصوصیت کا مظہر ہیں۔ ان کے مکاتیب عام طور پر طویل نہیں ہوتے۔ غیر ضروری باتوں سے پاک ہوتے ہیں اور الفاظ نپے تلے ہوتے ہیں، وہ ہر تحریر کو اپنی ذہنی فراست سے ترجیحات مقرر کرنے کے بعد شروع کرتے ہیں۔ ترجیحات کا جو نقشہ ان کے ذہنی کمپیوٹر میں مرتسم ہو جاتا ہے۔ اسی حساب سے ان کا قلم چلتا ہے، وہ صرف کام کی باتوں کے اظہار کو اہمیت دیتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے گریز کرتے ہیں، البتہ جو کچھ لکھتے ہیں۔ سند و صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ آپ کے خطوط کے مطالعہ سے وقت کی قدر شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا ظفر الدین بہاری کے نام ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ جامعیت، ایجاز واختصار اور اسناد کا بہترین نمونہ ہے۔

(۱) ''تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے ''حاشیہ درر'' میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا اختصار ''ع م'' لکھنا کفر ہے کہ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو، تو اس سے عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ اگر آپ کو ملے تو بحوالہ کتاب وباب وفصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔

اقتباس بالا سے امام احمد رضا کی فقہی قابلیت وصلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بحیثیت مفتی اور ایک جید دینی اسکالر استنباط واستخراج کی بھرپور صلاحیت عبارات بالا سے جھلکتی ہے، نیز مکتوب منہ اور مکتوب الیہ دونوں کی علمی شخصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ قاری کو یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا موجود ہے۔ مختصر سوال وجواب کی صلاحیت اور پھر اس کے مندرجات میں جو تفصیل ہے، اس کی تفہیم کے بھرپور ادراک کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ غور کیا جائے، تو گفتگو بظاہر عالمانہ ہے مگر زبان وبیان کا انداز دیکھیں تو سادہ، عام فہم اور پرکشش ہے۔ امام احمد رضا کے مکاتیب میں ایجاز واختصار کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ مگر طوالت کے خوف سے محض ایک اور مثال پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

(۲) ''مولانا بہاری علیہ الرحمہ کے نام ایک اور خط ملاحظہ ہو:

''فتویٰ آیا اور تقسیم ہوا اور آپ کو رسید نہ بھیج سکا کہ سرکار مارہرہ مطہر حاضر ہوتا ہوا، چھ روز میں واپس آیا اور صعوبت سفر وناسازی طبع سے اکیس روز معطل رہا۔ اب مبتلائے بعض افکار ہوں۔ طالب دعا ہوں۔

مسودہ فتویٰ جو آپ نے بھیجا۔ اس میں مولوی دیانت حسین صاحب و مولوی مقبول احمد صاحب کے بھی دستخط تھے۔ اس مطبوعہ میں نہیں۔ اس کا کیا سبب ہوا۔ ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو، تو اس عبارت کو تطبیق کر کے بھیجیے۔

'والاصطفاف بین الاسطوانین غیر مکروہ لانہ صف فی حق کل فریق وان لم یکن طویلا وتخلل الالسطوانۃ بین الصف کتخلل متاع موضع او کفرجۃ بین فجلین وخلک لایمنع صحۃ الافتلاء''۔

یہ عبارت یونہی ہے کہ اس میں فرق ہے، اس کا سابق ولاحق کیا ہے؟

مبسوط چھپ گئی ہے، مگر ابھی یہاں نہ آئی۔ اب کی بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟ یہ خط ابھی نہ بھیجا تھا کہ آپ کا نقشہ سحر و افطار آیا، جزاکم اللہ خیراً کثیراً۔ والسلام۔

اس اجمال میں جامعیت کے ساتھ جو تفصیل ہے اور سادگی، سلاست اور حسن کلام کی جو جھلکیاں ہیں، ان سے اہل علم وزبان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۱۰ مقفٰی عبارات:

امام احمد رضا کے دور میں عالمانہ انداز بیان کی ایک خصوصیت یہ سمجھی جاتی تھی کہ پوری عبارت مقفٰی ہو، چنانچہ ان کی تصانیف، تالیفات اور تقاریظ میں یہ ڈھنگ بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ لیکن مضامین مکاتیب میں زیادہ تر نثر عاری اور استدلالی کے نمونے ہیں۔ البتہ القاب و آداب اور سلام و پیام میں مقفٰی و مسجع نثر کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں پورے خط کے مضامین میں بھی مقفٰی عبارات کا رنگ نمایاں ہے۔ جس کی کچھ جھلکیاں آپ سابقہ سطور میں دیکھ چکے۔

تفصیل سے گریز کی بناء پر صرف چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں لیکن یہاں

بھی ''آورد'' کے بجائے بے تکلف اور قلم برداشتہ اظہار خیال کا انداز جھلکتا ہے جو امام احمد کی مکتوب نگاری کا خاصہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ''تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے نام ایک خط درج کرتے ہیں:

''جواب مسائل حاضر کر چکا تھا۔ دوبارہ بصیغہ رجسٹری حاضر کرتا ہے۔ اول اپنی حالت عرض کرے۔ رمضان مبارک (۳۰ھ) میں چار بار بخار آیا، شب عید (۳۰ھ) میں ۱۰ ربجے سے ۱۲ ربجے تک اسٹیشن بریلی پر کھڑا رہنا ہوا، پھر حرارت لے کر واپس آیا، دوسرے دن دو عیدیں (عید جمعہ و عید الفطر) اور احباب کا ملنا، تکان بڑھ گئی اور جب سے اب تک کئی حملے بخار کے ہوئے۔ ادھر اخیر میں دو حملے بہت شدت سے ہوئے کہ حاضری مسجد سے بھی محروم رہا۔ آج ظہر و عصر کو نماز کے لئے گیا تھا۔ طبیب وہیں مسجد میں ملے اور نبض دیکھ کر کہا ابھی بخار باقی ہے۔ چند روز سیڑھیوں کا چڑھنا۔ اترنا اور موقوف رہے۔

سوالات سابقہ کا جواب عرض کر چکا تھا۔ معلوم نہیں کیوں نہیں باریاب خدمت ہوا، سوال متعلق بینک کی نسبت بوجہ تپ حافظ امیر اللہ کے داماد سے کہلا بھیجا کہ براہ راست حاضر کروں گا۔ اب سابق و لاحق سب کا جواب حاضر ہے''۔

(۲) ''برہان ملت حضرت مولوی محمد برہان الحق علیہ الرحمہ کو تحریر کردہ ایک مکتوب ملاحظہ ہو:

''۲۷ محرم سے ۳۵ دن کے بخار نے بالکل بے طاقت کر دیا، طالب دعا ہوں۔ حضرت مولانا عبد الاسلام عبد السلام کی خیریت اور مقدمہ مسجد کی حالت سے مطلع کیجئے۔

حضرت اور سب احباب کو میرا سلام پہنچایئے، یہ مضمون مع خط میں نے دیکھ

لیا۔ بہت ٹھیک ہے۔ بارک اللہ تعالیٰ لکم وفیکم وبکم وعلیکم۔ سب صاحبوں کو سلام ودعا۔ والسلام"۔

(۳) "مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:
"مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین سے اور دین آپ کو نصر موزر پہنچائے۔ آمین، آمین، بجاہ الکریم المعین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم اور احسن یہ کہ استخارہ شرعیہ کر لیجئے۔

آپ کا خط دربارہ پریشانی دنیا آیا تھا۔ ہفتے ہوئے اور اس کا جواب آج دوں، آج دوں، مگر طبیعت علیل، بار بار بخار دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف ہجوم، ان کے دفع میں فرصت معدوم، علاوہ اس کے سو سے زائد جواب فتاویٰ کے، اس مہینہ کے اندر چار رسالے تصنیف کر کے بھیجے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم۔ وحسبنا ربی ونعم الوکیل۔

اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جوابی کو اعذار صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے۔ اس خط کے جواب میں کہ چاہتا تھا کہ آیات واحادیث دربارہ مذمت دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں فلاں کو دستِ غیب ہے، فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا، یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہٖ تعالیٰ علم نافع ہے۔ ثبات علیٰ سنہ ہے، ان کے پاس علم نہیں علم مضر ہے، اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمتِ حق بیشتر ہے، بشرط ایمان، وعدہ وعلو غلبہ باعتبار دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں ش مومنین کو تفوق رہے۔ دنیا جن مومن ہے۔ جن مومن ہے۔ جن میں اتنا آرام مل رہا ہے۔ کیا محض فضل نہیں؟ دنیا کا خاصہ ہے۔ اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے، دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔ والسلام۔

(۴) اس ضمن کی دو اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ۔ مولانا مفتی احمد بخش صادق صاحب، ڈیرہ غازی خان کو ایک مکتوب تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(الف) ''یہ ہجیہ رضیہ کہ بفضلہٖ تعالیٰ جناب میں مشہود ہوا، ابنائے زمانہ میں مفقود اور اس کا صاحب افراد نادرہ دہر میں محدود، آج کل تو ہر طرف حسد، تعصب کی گرم بازاری ہے۔ اور خواص اپنوں سے صرف اس بناء پر کہ، انا ہم اللہ من فضلہ، عداوت و بیزاری، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

دو عنایت نامے سابق کا جواب کہ بوجہ ہجوم کار اور تراکم افکار و تعدد امور و غیرہ اعراض نہ ہوا اور جب تک کہ تکلیف انتظار ہوگی، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ عفا اللہ تعالیٰ عنی وعنکم وعن المسلمین وجعلنی وایاکم عن خدم الدین المتین والشرع المبین وعبید سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وبارک علیہ وعلیھم اجمعین۔

(ب) جناب اشرف علی تھانوی صاحب کے نام لکھے ہوئے خط کے ایک اقتباس میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ سادگی اور سلاست و روانی کی بہار ملاحظہ ہو:

''رئیسوں کا دباؤ تھا ناچار دفع وقتی کو وہی چاند پوری صاحب آپ کے وکیل بنے۔ فقیر نے اپنے خط و قلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا کہ کیا آپ مناظرۂ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟ کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ سات مہینے سے زائد گذرے۔ آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا، ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے۔ واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا، مردانہ وار قرار سے فرار نہ ہوتا۔ یہ ہے وہ فرض لایعنی غیر واقع بے معنی معاہدہ جس سے عدول کا

ادھر الزام لگایا جاتا ہے، سبحان اللہ! اپنے وکیل بالادعاء کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں، ہاں! جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جورو سیاہ کے سامنے اپنے منہ سے آپ ہی دعویٰ وکالت کرچکے ہیں اور جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت ورسوائی، گردن کا طوق، ناپاک چالیں، بے شرمی کے حیلے ہیں"۔

سبحان اللہ کیا زبان وبیان کا لطف ان جملوں میں ہے۔ ذرا مقفّی ٹکڑے دیکھیں۔(۱) دفع وقتی کو وہی چاند پوری (۲) کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟...... (۳) سات مہینے زائد گزرے۔

(۴) "واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا۔ مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا،۳، جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے"۔ وغیرہ۔

۱۱ دلداری ودل افروزی اور دنیوی وروحانی تربیت:

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کیونکہ سراپا عشق تھے۔ مئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سرشار تھے کہ ان کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سفر وحضر، حتی کہ جینا مرنا سب کچھ اپنے محبوب کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، حیاۃ مستعار کے ہر زاویہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کی اجالا تھا، ہر ایک کے ساتھ وداد ومحبت، شفقت ورافت آپ کا ذخیرہ تھا، آپ کے الفاظ زخمی دلوں کے لئے مرہم اور ڈوبتوں کے لئے سہارا تھے، آپ اپنی تمام ترویتی، علمی وروحانی مشاغل کے باوجود احباب، تلامذہ، ارادتمند اور دین کی سمجھ حاصل کرنے والوں

کے خطوط کا جواب دینا اور اصلاح احوال کے لئے بذریعہ خط ان کی رہنمائی کرنا اپنا دینی اور اخلاقی فرض جانتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں ان کی سکون بخشی اور تسلی وتشفی کا سامان بھی تھا اور گمراہوں اور بے دینوں کے لئے راہ ہدایت کا نشان بھی اور اصلاح پذیر طبیعتوں کے لئے دلکش طریقہ کار بھی۔ آپ کے مکاتیب میں دوائے درد بھی ہے اور درد دل دوا بھی، چند عبارات کے نمونے مطالعہ فرمائیں۔

(۱) خط بنام مولانا ظفر الدین بہاری:

''شب براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰت والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند ان میں وہ دو مسلمان، جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب، چودہ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں۔ کہ بفضلہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہ عزت میں پیش ہوں، حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبۂ صادق کافی، التائب من الذنب کمن لاذنب له، ایسی حالت میں باری تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ، وھو الغفور الرحیم۔

یہ سب مصالحت اخوان ومعافی حقوق بحمدہ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے ''من سن فی الاسلام

سنہ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ لاینقص من اجورھم شیئا۔ کے مصداق ہوں یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔

اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو وعافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے، نہ نفاق پسند ہے، صلح ومعافی سب سچے دل سے ہو۔ والسلام''۔

یہ خط امام احمد رضا کی فرض شناسی اور دینی کام میں اشتغال وانہماک کا مظہر ہے، علاوہ ازیں صلاح وفلاح واتفاق بین المسلمین پیامبر بھی۔

۲) خط بنام مولانا برہان الحق علیہ الرحمۃ:

''نور عینی وزرۃ دینی ادام اللہ تعالیٰ عزک، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''مطالع البروج'' بہت صحیح بنائے۔ بارک اللہ وفیک وعلیک صرف ایک جگہ غلطی زیادہ تھی اور باقی چند جگہ خفف وہ سب سرخی بنا دی ہے۔

برادرم! کسی مکار بے دین کی زبان بند کرنے کا کسے اختیار ہے۔ قیامت میں رب العزت کے حضور تو بکے جائیں گے، یہاں تک کہ'' الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون ''اس وقت مجبور ہوں گے''۔

ایک تلمیذ ومرید خاص کے لئے یہ الفاظ کس قدر طمانیت، خوشی ومسرت اور ہمت افزائی کا باعث بنے ہوں گے، جس نے نہایت محنت سے کوئی تحقیقی وتحریری کام کیا ہو۔ امام احمد رضا کے مکتوب میں ہونہار، نوخیز مصنفین ومحققین کی دلداری اور ہمت

افزائی اور ستائش کے بہتیرے نمونے موجود ہیں جس سے اندازہ ہوتا کہ فروغ تعلیم اور اپنے شاگرد و متوسلین کی تعلیم و تربیت میں وہ کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔

تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے علاوہ امام احمد رضا اپنے مکتوب سے بھی ان کی علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت اور اصلاح احوال کی سعی بلیغ فرماتے ہیں۔ تحقیق مسائل میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور جسمانی و روحانی دونوں بیماریوں کے علاج بھی تجویز فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ان سے قبل کے بزرگوں مثلاً حضرت مخدوم شیخ یحیٰ منیری، مجدد الف ثانی، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدست اسرارہم کا معمول رہا ہے۔

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ہم میں سے ہر شخص متوحش رہتا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے سے گریز نہیں کرتا، لیکن ''ایمان'' جو سب سے اہم ترین دولت ہے اس کی حفاظت کی طرف سے ہم میں سے اکثر غفلت برتتے ہیں، امام احمد رضا کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے جان مال، عزت و آبرو کی طرح ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا بھی وافر سامان فراہم کیا ہے، جس کی بین دلیل ان کی تصانیف اور مکاتیب ہیں، ان مکاتیب سے چند کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مکتوب بنام مولانا عرفان علی رحمۃ اللہ علیہ:

''نور دیدہ و راحت روان من مولوی عرفان علی صاحب سلمہ،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آدمی کو اس قدر گھبرانا نہ چاہیے۔ اللہ عزوجل پر توکل چاہیے۔ بدمعاش لوگ ایسی دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ وہ محض بے اصل باذن اللہ تعالیٰ ہوتی ہیں۔

۱) صبح عصر کے فرضوں کے بعد قبل کلام کرنے اور قبل پاؤں بدلنے کے اسی ہیئت التحیات پر بیٹھے ہوئے دس بار پڑھے: لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد، بیدہ الخیر، یحی ویمیت، وھو علی کلہ شئی قدیر"

صبح کو پڑھے۔ شام تک ہر بلا سے محفوظ رہے اور شام کو پڑھے تو صبح تک، عصر کے بعد نہ ہو سکے، تو مغرب کے فرضوں کے بعد پڑھے۔

۲) صبح یعنی آدھی رات ڈھلے سے سورج نکلنے تک اور شام یعنی دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک، اس بیچ میں کسی وقت دس دس بار "حسبی اللہ لاالہ الاھو علیہ توکلت، وھورب العرش العظیم" صبح کا پڑھنا شام تک ہر بلا سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک۔

۳) (ان اوقات) میں تین بار تینوں قل صبح وشام یہی فائدہ رکھتے ہیں۔

۴) صبح وشام میں تین تین بار "بسم اللہ، ماشاء اللہ، لایسوف الخیر الااللہ، ماشاء اللہ، لایسوف السوء الااللہ، ماشاء اللہ ماکان من نعمة فمن اللہ، ماشاء اللہ، لاحول ولاقوة الاباللہ"

پڑھا کیجئے۔ صبح کا پڑھنا شام تک جلنے، ڈوبنے، چوری، سانپ، بچھو، شیطان، قہر، حاکم سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک"۔

۲) "برادرم سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے۔ بعد نماز عشاء ایک سو گیارہ بار، طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر" پڑھ لیا کیجئے، اول آخر گیارہ بار درود شریف، اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت با کرامت رکھے۔ ان سے فقیر

کا سلام کہیے ، یہی عمل وہ بھی پڑھیں ، نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح وشام سوتے وقت ، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی ، دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبے تک شام ہے اور آدھی رات ڈھلے سے سورج چمکنے تک صبح ، اس بیچ میں ایک ایک بار علاوہ نمازوں کے ہو جایا کرے اور ایک بار سوتے وقت ، آپ کے والد ماجد صاحب کو سلام''۔

۳) برادرم دینی و یقینی مولوی عرفان علی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ مرض دفع فرمائے اور ہر جگہ اہل سنت کی حفاظت کرے ۔ شیخ عبداللطیف صاحب مرحوم بہت خوب آدمی اور فقیر کے خالص مخلص تھے ، مولیٰ تعالیٰ مغفرت فرمائے ، ان کی تعزیت کسے اور کس پتے پر لکھوں ؟

ہر مکان میں بعد مغرب سات سات بار اذان باآواز بلند ہوا کرے ، سورۃ التغابن شریف روز پانی پر دم کر کے اپنے اپنے گھر سب کو پلایا کریں''۔

۴) ''راحت جانم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون دیکھ کر اغلاط بنا کر بھیج دیا ۔ حدیث شریف صحیح کا ارشاد ہے ۔''ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا'' ۔ (بے شک اللہ ہر صدی کے ختم پر اس امت کے لئے ایک مجدد بھیجے گا کہ امت کے لئے اوس (اس) کا دین تازہ کرے)

پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے ، دوسری صدی کے مجدد امام شافعی و امام احمد و امام علی رضا و علیٰ ہذا القیاس (رضی اللہ عنہم) ۔ یہ خیال کہ صرف مجدد الف

ثانی مجدد ہوئے اور یہ کہ مجدد ہزار برس کے بعد ہوتا ہے۔ سب جاہلانہ خیال ہیں۔

اقتباس نمبر (۱) اور (۲) میں ایمان، آبرو، جان و مال کی حفاظت کی دعا کے ساتھ مکتوب منہ (سائل) کی دین و دنیا کی جملہ پریشانیوں کے تدارک کے لئے وظیفہ تجویز کیا جارہا ہے اور توکل علی اللہ کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اقتباس نمبر (۳) میں مکتوب منہ کے مرض سے شفایابی اور جملہ اہل سنت کی حفاظت کی دعا کے ساتھ وبائی مرض کے دفع کے لئے ہر گھر میں قرآن کریم سے تجویز کردہ سورہ مبارکہ پڑھنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔ تینوں خطوط اگر تفصیلاً دیکھیں تو ان کی عبارات کے ایک ایک لفظ میں مکتوب منہ کے لئے جذبہ ترحم، دلجوئی، اصاغر نوازی اور سب سے بڑھ کر تمام عامۃ المسلمین کے لئے فلاح و صلاح کے جذبات کارفرما نظر آرہے ہیں۔ اسی طرح اقتباس نمبر (۴) میں مکتوب منہ کے ایک مضمون کی اصلاح و تصحیح کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باہں ہجوم کار کہ بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط کے تقریباً روزانہ ہی جواب لکھنے لکھانے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شب و روز جاری رہنے کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے قوی عذر کے باوجود آپ نوجوان علماء و طلباء کو تحریر و تحقیق کے میدان میں آگے لانے کے لئے ان کی تربیت فرمانے اور ان کے مقالہ جات کی اصلاح و تصحیح کے لئے وقت نکالنے سے حتی الامکان گریز نہ کرتے، آپ کا یہ عمل احباب، اصاغر اور تلامیذہ و عقیدتمند علماء کے ساتھ شفقت و محبت اور مودت و دلجوئی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس خط میں ضمناً حدیث مجدد کی تصحیح کا بھی ذکر آیا ہے جو غالباً مکتوب منہ نے اپنے مقالہ میں نقل کی ہوگی، پھر ''مجدد'' کے ظہور کے متعلق عوام الناس میں زبان زد عام بعض غیر مستند روایات کی تردید بھی کی گئی ہے، اس طرح سے مقالہ نگار کو لکھنے لکھانے کی تحریک

وتشویش کے ساتھ اس کے علمی اشکال رفع فرما کر اس کی مکمل تسلی وتشفی بھی کی گئی ہے۔

(نوٹ) اس خط کے مندرجات سے ''مکتوبات مسعودی'' ۲۰۰۵ء، مرتبہ عبدالستار طاہر نقشبندی کے صفحہ ۷۶ پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ سے منسوب ایک غلط عبارت کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ (وجاہت)۔

ایک اور خط میں مسلمانوں کے محسن اور شفیق امام نے ایک نہایت پریشان حال اور نہایت مایوس برادر دینی کے لئے ایسے شفقت بھرے محبت آمیز، تسلی بخش اور رنج ومحن دور کرنے والے کلمات تحریر فرمائے ہیں کہ غیر بھی اسے سنے یا پڑھے، تو اس کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ جائیں اور ادراک حقیقت کے ساتھ یہ شعر گنگناتا مطمئن اور شاداں وفرحاں اپنے مقصدِ تخلیق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کارہائے زندگی کی دیانت دارانہ انجام دہی میں بہ نیت عبادت مشغول ہو جائے۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

''برادر دینی وتیقنی سلمہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اتنا پریشان ومایوس ہونا ہرگز نہ چاہیے، درہائے رحمت کھلے ہوئے ہیں۔ استغاثہ واستعانت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے برابر جاری ہے، حضور کا توشہ مان لیجیے۔ بلکہ نصف توشہ پہلے کر دیجیے اور پورا بعد کے لئے مان لیجیے''۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصانیف اور مکاتیب سے ان کے وسعت مطالعہ،

زرف نگاہی، فطانت وذہانت، بالغ نظری، کثیر علوم وفنون پر دسترس اور حکیمانہ بصیرت کا آئینہ ہوتے ہیں، ان خوبیوں کی بناء پر سچ پوچھیے تو ان کی ذات قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کریمہ کا اپنے عہد میں مظہر اتم نظر بھی۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ، وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْراً كَثِيراً ، وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ۔ (البقرۃ: ۲۶۹/۲)

(اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (کنز الایمان)

یعنی آپ جیسے حکیم، دانا، وبینا، ماہر علوم قرآن وحدیث وفقہ، صاحب تقویٰ اور صاحب روحانیت، ذات کو صاحب فراست وبصیرت حضرات ہی پہچانتے ہیں اور ان کے علم سے مستفیض ہونے اور حکمت ودانائی کے ملفوظات سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان کے سوانح نگاروں نے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ باقاعدہ طبیب کی حیثیت سے لوگوں کا علاج ومعالجہ کرتے ہوں، مگر جس طرح دینی ودنیوی مسائل میں لوگ ان سے رجوع کرتے تھے۔ امراض جسم کے علاج اور شفا کے لئے بھی آپ کی بارگاہ عالی میں عرض گذاشت ہوتے تھے، جب اس جہت سے آپ کے علم وتحقیق کو پرکھا جائے تو آپ ایک ایسے حکیم حاذق نظر آتے ہیں جو اپنے ہم عصر عظیم حکماء واطباء سے کسی طرح کم نہیں، چنانچہ پاکستان میں طب اسلامی کے پیشرو اور امام، حکیم محمد سعید صاحب، امام احمد رضا کی طبی بصیرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک

پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے، مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں، اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی ہی نہیں، بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے"۔

لہٰذا امام احمد رضا کے مکاتیب میں متعدد ایسے مکتوب ہیں جن میں آپ نے اپنے احباب اور تلامذہ کے علاج کے لئے دوائیں تجویز کی ہیں اور نسخے تحریر فرمائے ہیں۔ اس طرح ان کی مکتوب نگاری کی ایک خصوصیت طبی بصیرت و مہارت کا اظہار بھی ہے۔

۱۴ تعزیتی خطوط:

مکاتیب رضا میں تعزیتی خطوط بھی ہیں، جو ان کے کمال تحریر کا ایک نمونہ ہونے کے ساتھ ایک جدید اسلوب کو بھی متعارف کراتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے:

آپ کے عزیز شاگرد، مرید و خلیفہ مخلص دوست و خلیفہ کے صاحبزادے، مولانا مفتی برہان الحق ابن مولانا عبد السلام جبل پوری علیہما الرحمہ کے کمسن صاحبزادے کا انتقال پر محدث بریلوی نے ان کے اور ان کی اہلیہ کے نام ایک مشترکہ تعزیتی خط تحریر کیا،

اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱) ''جان پدر، نور بصر، جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ برہان الحق المبین وعزیزہ عفیفہ ذکیہ سلمہا اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بے شک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا، اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی نامتصور ہے اور محروم تو ہے جو ثواب سے محروم رہا اور جو صبر کریں ان کے لئے ثواب ہے پورا۔

۱ میرے عزیز بچو! مولیٰ تعالیٰ تمہیں صبر جمیل اور اجر جزیل ونعم البدیل عطا فرمائے۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

۲ ...... اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کرکے۔ اے محبوب خوشخبری دو ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، جو ایسا کہیں ان پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت ہے اور وہ لوگ ہدایت پر ہیں''۔

۳۔''اللہ کی بشارت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت، اللہ کی درودیں، اللہ کی رحمت، اللہ کی ہدایت، یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ آدمی لاکھ جانیں دے کر لے تو سستی ہیں، بے صبری سے، جو چیز گئی آنہیں سکتی مگر یہ عظیم دولتیں ہاتھ سے جاتی ہیں، دیکھو، ایک اسی کلمہ، انا للہ وانا الیہ راجعون میں کیسی صبر کی تلقین فرمائی ہے: کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا وہی مالک ہے تو مالک اگر اپنی ملک کسی سے لے، اس کا غم کیا معنی؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے

ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہیے کہ ایمان پر انھیں کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے''۔

۴۔ ''مسلمانوں کے چھوٹے بچے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی گود میں دیئے جاتے ہیں، وہ انہیں پرورش فرماتے ہیں، درخت طوبٰی کے سائے میں رکھتے ہیں، ابراہیم خلیل اللہ کی گود اچھی ہے یا تمہاری؟ طوبٰی کی چھاؤں اچھی یا تمہاری چھت؟''

۵۔ ''آپ دونوں صاحب اللہ کے سچے وعدوں پر پورے اطمینان کے ساتھ کہیں: الحمد للہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ عسی ربنا ان یبدلنا خیر امنہا الی ربنا راغبون اللہ اجرلی فی مصیبتی واخلف لی خیر امنہا۔

صحیح حدیث میں ہے اس کا کہنے والا اس گئی ہوئی چیزوں سے بہتر بدل پائے گا''۔

ان سطور بالا میں تلقین صبر، امید حصول ثواب، صبر پر مژدۂ عظیم، راضی برضائے الٰہی رہنے کے ابدی انعامات، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کے ثمرات کو فرامین الٰہی اور ارشادات رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط کر کے جس احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ امام احمد رضا کے قلم کا اعجاز ہے، ہر جملہ اثر پذیری میں اپنی مثال آپ ہے، القاب سے لے کر اختتامی کلمات تک تمام خط تاثراتی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں، مصیبت پر صبر کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بشارت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت، اللہ جل شانہ کی درودیں، رحمٰن ورحیم اللہ کی رحمتیں، ہدایتیں، یہ تمام انعامات جس موثر و مربوط لب ولہجہ اور تواتر و ترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، مخاطب اسے پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قاری کے ذہن میں معاذ اللہ مالک و مولیٰ کی ملکیت کا ایسا تصور ابھرتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ پر اس کا ایمان مزید مستحکم ہو جاتا ہے اور صبر کی دولت ہاتھ آجاتی ہے، کہ یہ اخروی نعمتیں لاکھوں جانیں دے کر بھی نہیں حاصل کرسکتا، ذرا اندازہ کیجئے درج ذیل بول کس قدر منطقی اور ایک مومن کے قلب کے لئے کس قدر باعث تسلی و تشفی اور ''قلب مضطرب'' کو ''قلب مطمئنہ'' بنانے والے ہیں:

''ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا مالک وہی ہے، تو مالک اگر اپنی ملک کسی سے لے لے اس کا غم کیا معنی؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہیے کہ ایمان پر اٹھیں، کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے''۔

منطقی انداز تحریر کے ساتھ ساتھ ان جملوں میں پوشیدہ ایجاز و اختصار، سادگی و بے ساختگی اور منطقی طرز نگارش کا جو حسن اور اشاروں کنایوں میں قرآن و حدیث کی جزئیات کے حوالے اور ایمان باللہ و ایمان بالرسول اور ایمان بالغیب کی تفاصیل ہیں وہ اہل علم و نظر سے مخفی نہیں۔

۱۳ جذبات نگاری:

امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کی ایک خصوصیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ان کا بے پناہ لگاؤ اور جذبہ کمال عشق ہے، ان کے اس والہانہ عشق کا اظہار ان کی منثور و منظوم تمام نگارشات سے ہوتا ہے، جذبات نگاری کی یہ دلکشی اور اثر آفرینی ان کے مکاتیب کے الفاظ اور جملوں میں بھی بدرجہ اتم محسوس کی جاسکتی ہیں، گو کہ ان کے عشق صادق کی اصل تصویر ان کے مجموعہ نعت حدائق بخشش ہی میں نظر آتی ہے لیکن مکاتیب میں بھی ایسے

ادبی شہ پارے جابجا بکھرے نظر آتے ہیں، جن میں ان جذبہ صادق، نصب العین، عقائد صالحہ، جذبہ فروغ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغ تعلیم قرآن وسنت کی خدمت اوراحیائے دین متین کے اظہار کا مدعا بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ خوبی آپ کی تحریر میں منکسر المزاجی، کسر نفسی اور شرافت وغیرت دینی کا عنصر زیادہ غالب نظر آتا ہے، حتیٰ کہ معاندین اور مخالفین سے بھی درویشانہ انداز گفتگو اور فقیرانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں، صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

دیوبندی حضرات کے حکیم شیخ اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے نام ایک مکتوب میں تھانوی صاحب کے ہم نواؤں کے نہایت جارحانہ سوقیانہ انداز تکلم کے جواب میں آپ کا عالمانہ وادیانہ اور باوقار اسلوب نگارش ملاحظہ ہو:

''الحمد للہ! یہ زبانی ادعا نہیں بلکہ میری کاروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں، موافق ومخالف سب دیکھ رہے ہیں، کہ امر دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے کسی کی اصلاً پروا نہ کی، اصحاب فقیر نے آپ کی طرف کے ہر قابل جواب اشتہار کے جواب دیئے، جو بحمد اللہ تعالیٰ لاجواب رہے، مگر جناب کے مہذب عالم، مقدس متکلم، مولوی مرتضیٰ حسین دیوبندی، چاندپوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامہ کی نسبت قطعی ممانعت کردی......

......ایسے وقائع بکثرت ہیں اوراب جو صاحب چاہیں اطمینان فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا، سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے، عزت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، نہ کہ اپنی، میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں، اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں، میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں

ہے کہ میری اور میری آبائے کرام کی آبرو میں عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سپر رہیں، اللہم آمین۔

(خصوصی نوٹ: مولوی مرتضی حسن چاندپوری، دیوبندی مذہب کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور اس کے ناظم تعلیمات تھے، وہ خود کو شیخ اشرف علی تھانوی کا وکیل کہتے تھے، انہوں نے اسی حیثیت سے ایک اشتہار اعلیٰ حضرت پر ذاتی حملوں اور سب وشتم سے لبریز شائع کرادیا تھا، جس کا عنوان تھا ''بریلی چپ۔ شاہ گرفتار'' اسی طرح مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بریلی شریف میں علمائے اہل سنت سے مناظرے میں شکست فاش ہوئی، مگر انہوں نے اپنے اشتہار میں اس کے برعکس چھاپا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت پر ایسے ذاتی حملے کئے جس سے انسانیت اور شرافت دونوں شرم سے پانی پانی ہوگئے۔

(حاشیہ کلیات مکاتیب رضا، ص ۱۶۸)

''یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے؟ کہاں سے لایئے؟ کس گھر سے دیجئے۔ مگر والا جناباً! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے، معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پر انہیں لجاتے، شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انہیں شہ دی، یہاں تک کہ انہوں نے ''سیف النقی'' جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بھی نہ بن پڑی، یعنی میرے رسائل قاہرہ کے اعتراض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والد ماجد وجد امجد و پیر و مرشد قدست اسرارہم وخود حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گڑھ لیں، ان کے نام بنالئے، مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں''۔

۱۴ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کا ایک اپنا اسلوب نگارش اور منفرد اظہار بیان ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کی خصوصیات کے حوالے سے اظہار بیان ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کی خصوصیات کے حوالے سے اظہار مدعا کے بیان میں بہت سے مقامات پر مرزا اسد اللہ خان غالب سے بڑی حد تک مماثلت جھلکتی ہے، جب ارباب سخن امام احمد رضا کے مکاتیب کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ غالب کے علاوہ بھی:

ع
ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے

طوالت کے خوف سے دونوں کے مکتوب کے ایک ایک اقتباس ملاحظہ ہوں:

۱) غالب کا خط بنام نواب انوار الدولہ شفق:

"نہ تم میری خبر لے سکتے ہو نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں، اللہ، اللہ، دریا سارا تیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے، دو ہاتھ لگے اور بیڑا پار ہے"۔

۲) مکتوب محدث بریلوی بنام علامہ عبد السلام جبل پوری علیہ الرحمہ:

"دعائے جناب واحباب سے غافل نہیں، اگر چہ منھ دعا کے قابل نہیں، اپنے عفو وعافیت کے لئے طالب دعا ہوں کہ سخت محتاج دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل"

(نوٹ: واضح ہو کہ یہ خط امام احمد رضا نے اپنے وصال سے ایک سال قبل ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو لکھا تھا، ایک قبل وقت وصال سے آگاہی، یہ مرتبہ محبوبان

خدا کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ وجاہت)

دونوں کے جملوں میں سادگی، بے ساختگی، روانی، بے تکلفی، اور قوانی میں مماثلت قابل توجہ ہیں، موت کے متعلق خوبصورت کنایہ واشارے ہیں لیکن بیان احوال آخرت اور خشیت الٰہی کے حوالے سے امام احمد رضا کا اسلوب تحریر زیادہ پر اثر ہے، محاورات کا استعمال دونوں اقتباسات میں برمحل ہے، اقتباس نمبر (۱) میں خبر لینا، دریا تیر چکنا، دو ہاتھ لگانا، بیڑا پار ہونا وغیرہ استعمال کر کے زندگی کے آخری ایام کی خوبصورت تصویر کشی کی گئی ہے۔ جبکہ اقتباس نمبر (۲) میں دعائے احباب سے غافل نہ ہونا، منہ دعا کے قابل نہ ہونا، دعا کا طالب ہونا، صلحاء کی دعا کا محتاج ہونا، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، بالترتیب کہہ کر قرب وقت موت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ پہلے اقتباس سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اس لئے کہ یہاں ایک جانب "عمل رکیک" کے اقرار سے خوف پرسش محشر کا اظہار کیا گیا لیکن دوسری جانب معاً اس کے بعد "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کی قرآنی دعا یاد کر کے رحمت و مغفرت الٰہی پر بھرپور ایمان اور اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے اور خوبصورت اشارے و کنایے میں اپنی بخشش کی خوشخبری بھی سنا دی ہے۔

روزمرہ محاورات کا استعمال جس چابکدستی کے ساتھ دلنشین اور ترتیب وار انداز میں کیا گیا ہے اس سے امام احمد رضا کی اردو زبان پر کمال قدرت کا احساس ہوتا ہے، ایک خاص بات اور ہے جو قارئین کی توجہ کی طالب ہے، وہ یہ کہ غالب اپنی تحریر میں اپنی موت کے قریب ہونے کی خبر کے ساتھ ساتھ اپنی بے بسی اور مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں، اور مکتوب الیہ سے مدد حاصل کرنے یا اس کی مدد کرنے سے عجز کا اظہار بھی کر رہے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اپنی تحریر میں یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ ایک مومن

صادق زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے احباب کی دعائے خالص اور ایصال ثواب کے ذریعہ مدد کرسکتا ہے اور دعائے مغفرت چاہنے والے احباب کی رفاقت کو اللہ کا انعام قرار دے رہیں، غالب اپنی تحریر میں انجام کار رستگاری سے مایوس نظر آرہے ہیں، جبکہ امام احمد رضا کی تحریر یہ عقیدہ دے رہی ہے کہ مومن صالح باذن الٰہی دنیا و آخرت میں ایک دوسرے کے مددگار اور بہ وعدہ الٰہی انجام کار رستگار ہیں۔

۱۵ امام احمد رضا کی شخصیت مکاتیب کے آئینے میں:

واضح ہو کہ راقم نے امام احمد رضا کے مکاتیب کے اسلوب نگارش کی محض چند خصوصیات قلمبند کیں اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ مکاتیب کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں، ان تین سو خطوط میں جنہیں مرتب محترم جناب غلام جابر شمس مصباحی پورنوی صاحب نے نہایت جانفشانی اور تلاش و جستجو کے بعد جمع فرمایا ہے، امام احمد رضا کی بلند قامت شخصیت کے مختلف زاویے اس قدر واضح طور پر نظر آتے ہیں کہ اگر کوئی محقق چاہے تو تنہا اسی کو سامنے رکھ کر ان کی حیات مبارکہ کا جامع نقشہ تیار کرسکتا ہے، ان مکاتیب میں امام صاحب کے اطوار و اخلاق اور عادات و معمولات کے پہلو بھی صاف نظر آتے ہیں، لہٰذا ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ زیر نظر مکاتیب صرف اس وجہ سے بیش بہا اور اہمیت کے حامل نہیں کہ یہ ایک عبقری وقت اور مجدد دین و ملت کے مکاتیب ہیں بلکہ ان کے قیمتی ہونے کی کچھ اور بھی وجوہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱) ان قلم برداشتہ خطوط کے آئینہ خانے میں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اسے واضح اور شفاف رنگ میں نظر آتی ہے کہ ان کے اکثر اصحاب کو ان کی حیات

مستعار کے لمحات میں بھی اسے اُس تفصیل سے دیکھنے کا موقع شاید ہی میسر آیا ہو۔

۲) مذکورہ خطوط اردو زبان و ادب کی تاریخ میں گوناگوں اسالیب زبان و بیان کا ایک بہت اہم اور نادر و دلکش مرقع ہے۔

۳) ان میں امام موصوف کی حیات کا کافی و وافی ذخیرہ موجود ہے۔

۴) کہتے ہیں کہ خطوط کسی کے قلب و ذہن کے عکاس ہوتے ہیں، مذکورہ مکاتیب کے آئینے میں ایک عبقری وقت کے قلب و ذہن اور فکر و نظر کی مکمل تصویر خود ان کے سرخامہ کے باریک بین کیمرے سے کھنچ کر سامنے آگئی ہے، بقول بعض محققین، مکتوب نگار کی فکر و نظر کی یہ تصویر اس کے شعر و سخن اور نثری نگارشات کے آئینہ خانہ سے کہیں زیادہ جامع اور واضح ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی خط لکھتا ہے تو وہ تخلیہ میں لکھتا ہے اور وہاں اس کے اور مکتوب الیہ علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا، ایسے میں راز و نیاز اور سر دل بر آں کا اظہار بلا تکلف ہوتا ہے اور بقول مومن کیفیت یہ ہوتی ہے:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آخر میں عرض ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے زیر نظر مکاتیب کا مجموعہ ترتیب پانے سے قبل بھی دور جدید اور ماضی قریب کے بعض اکابر علم و فضل کے مکاتیب ترتیب پائے اور زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکے ہیں، بلکہ اب ا کے بعد کے دور میں بھی بعض دیگر مشاہیر علم و ادب کے مجموعہ خطوط بھی سامنے آرہے ہیں، لیکن کلیات مکاتیب رضا کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی صاحب علم و نظر یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنی اس قلم برداشتہ بے تکلف نگارشات میں ذات و ماحول

کے متعلق معلومات کا جو گراں قدر خزانہ بلا قصد و نیت مہیا کر دیا ہے، وہ ہماری دینی، علمی وادبی و سیاسی تاریخ کا ایسا قیمتی اثاثہ ہے جس کی مثال اردو انشاء پردازی میں کم ملے گی، علاوہ ازیں اسلوب نگارش میں ابداع کی جو فراوانی آپ کے خطوط میں موجود ہے وہ اردو ادب کے نقادوں اور ادیبوں کو کھلے لفظوں میں دعوت تحقیق و نقد و نظر دے رہی ہے:

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

بالفاظ دیگر، امام احمد رضا نے دوسرے علوم و فنون کی طرح مکتوب نگاری میں بھی اپنی انفرادیت اور یکتائی کا جلوہ دکھایا جو ان کے عبقری وقت ہونے کی ایک اور بین دلیل ہے، کاش کہ کوئی محقق ادیب، امام احمد رضا کے ان مکاتیب اور ان کے علاوہ ہزار ہا دیگر خطوط جو ابھی تک گوشہ گمنامی میں قدر دانوں کی نگاہوں سے روپوش ہیں، ان کو بازیاب کرا کے ان پر پوری توجہ فرمائے تاکہ امام موصوف کے شعری کلام کی طرح یہ بھی اہل علم وادب کی بے اعتنائی کا شکوہ نہ کر سکیں۔

فاضل نوجوان اور محقق رضویات مولانا مفتی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب کو ایک جذبہ عشق و جنون کے تحت بصد تلاش و جستجو حاصل کیا اور پھر اس پر پی، ایچ، ڈی، کا ایک نہایت محققانہ اور وقیع مقالہ لکھا، یقیناً رضویات کی تاریخ میں یہ ایک اہم علمی پیشرفت، پھر ان تمام حاصل کردہ خطوط کا مرتب ہو کر کتابی شکل میں شائع ہونا علامہ ڈاکٹر مصباحی صاحب کی علم دوستی اور رضویات سے ان کے شغف کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے، یہ ان کا وہ عظیم علمی کارنامہ ہے جو اہل علم وادب سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتا اور رہتی دنیا تک امام احمد رضا کی حیات کا اصل دستاویزی حوالہ قرار پاتا رہے گا۔

کلیات مکاتیب رضا، جلد اول کے اندرونی سرورق پر ان مجموعہ مکاتیب کے متعلق یہ تبصرہ بڑا جامع ترین مجموعہ، مکتوب نگار کی وفات کے کچھ کم سو سال بعد پہلا قدم، علم وادب، فکر ونظر، فلسفہ واخلاق اور ہدایت وارشاد کا قیمتی خزانہ، حیات رضا، فکر رضا، اوراخلاص رضا کا ایک شفاف آئینہ (ہے) وہ آئینہ جس میں ان کی احیائی وتجدیدی، اصلاحی ودعوتی، دینی وسیاسی، معاشی، ومعاشرتی، قومی وملی اور تہذیبی وتمدنی کارناموں کی اجلی تصویریں صاف دکھائی دیتی ہیں،

رحمت حق بہانہ می جوید کے مصداق مکاتیب امام احمد رضا پر تحقیقات کے نیک عمل کا ایک عظیم صلہ علامہ ڈاکٹر شمس مصباحی کو یہ بھی عطا فرمایا کہ انہوں نے پی، ایچ، ای، تھیس کی تحریر کے دوران امام احمد رضا کی نادر تحقیقات کے حوالے سے ۱۸ مزید مقالہ جات قلمبند کر لئے جواب اپنی طباعت کے لئے علم ودوست، سخن پرور، صاحب ورع وتقویٰ اہل ثروت حضرات راہ دیکھ رہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''مردے از غیب بروں آید کہ کارے بکند''۔

بفضلہ تعالیٰ اگر ایسا جلد ہو جائے (اور انشاء اللہ وثم انشاء رسولہ ایسا یقیناً ہوگا) تو حیات رضا اور علوم رضا کی ایسی نئی نئی جہتیں اور نا معلوم ونادیدہ وناشنیدہ گوشے منظر عام پر آجائیں کہ اہل علم وفن کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور اس طرح علم وادب کے سرمایہ میں ایک معتد بہ اضافہ ہو جائے، راقم بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ان دعاؤں کو مرتب ممدوح کے حق میں قبول فرمائے اور موصوف کے علم وعمل اور رزق وعمر میں مزید برکتیں عنایت فرمائے تا کہ وہ اپنی فتوحات علمی خصوصاً تحقیقات رضویہ سے ہمیں اسی طرح ہمہ تن متوجہ ہو کر اور اسی مستعدی کے ساتھ مستفیض فرماتے

رہیں، آمین، بجاہ سید المرسلین وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

می کند حافظ دعائی بشنو آمینی بگو
روزی ما بعد لعل شکر افشان شما

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

حوالہ جات

(۱) محمد ظریف، ابلاغ کا مفہوم اور ذرائع، ماہنامہ، تدریس القرآن، کراچی، جنوری ۲۰۰۶

(۲) المنجد، (عربی، اردو) مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، ۱۹۹۴ء، ص:۸۵۹

(۳) ایضاً (۴) ایضاً، ص:۵۵۷

(۵) ایضاً، ص:۳۸۴ (۶) ایضاً، ص:۸۵۹

(۷) المورد، بیروت ۱۹۸۹ء، ۵۲۳،۲۲

(۸) مہدی بیگم، مکاتیب مہدی، مقدمہ ارشد سلیمان ندوی گورکھپور، ص:۱۵۸

(۹) ادبی تبصرے، ص:۷۶ (۱۰) آرڈبلیو بیز رے ہم، انگلش لیٹرز ائیٹر، ص:۸

(۱۱) احمد رضا خان، امام، خالص الاعتقاد، ۳۴، بحوالہ جامع الاحادیث مکمل: ج ۷، ص ۸۷۱، ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف، یوپی، انڈیا۔

(۱۲) رسالہ نور حبیب

(۱۳) مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)، مؤلف مولانا سید محبوب رضوی، ناشر، یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز لاہور، اشاعت دوم، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۳۔۴۴

(۱۴) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، آخری پیغام، مطبوعہ، سرہند پبلیکیشنز، کراچی، ص ۷۶

(۱۵) خلیق انجم، غالب کے خطوط، مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ص: ۱۳۵

(۱۶) غلام رسول مہر، خطوط غالب، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء، ص: ۲۹

(۱۷) ایضاً، ص: ۱۶، ۱۷

(۱۸) امام احمد رضا، امام، فی الفتاویٰ الرضویہ، (قدیم) ج: ۳، ص: ۱۳۹

(۱۹) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ناشر اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ص: ۱۲۷

(۲۰) ڈاکٹر شمس مصباحی پورنوی، کلیات مکاتیب رضا، ج: ۱، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا۔

(۲۱) ایضاً، ص: ۴، ۵ (۲۲) ایضاً ۳۶۵، ۳۶۶

(۲۳) کلیات مکاتیب میں مذکورہ مکتوب الیہ کے نام خطوط ملاحظہ ہوں۔

(۲۴) ایضاً، ص: ۱۲۶ (۲۵) ایضاً، ص: ۱۲۶، ۱۲۷

(۲۶) ایضاً، ص: ۲۲۱، ۲۲۲ (۲۷) ایضاً، ص: ۲۰۲

(۲۸) محمود احمد قادری، پیر مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۳

(۲۹) برہان الحق جبل پوری، مفتی اکرام امام احمد رضا، ص ۹۹۔۱۰۰

(۳۰) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص: ۳۸۳

(۳۱) ایضاً ص ۳۸۸، (۳۲) احمد رضا خان امام خالص الاعتقاد، ص: ۳۲۔۳۸

(۳۳) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص: ۱۰۱۔۱۰۲

(۳۴) ایضاً ص: ۳۲۶
(۳۵) ایضاً ص: ۳۳۱_۳۳۲
(۳۶) ایضاً ص: ۲۶۳ تا ۲۷۰
(۳۷) ایضاً ص: ۳۶۸
(۳۸) ایضاً ص: ۳۳۴
(۳۹) ایضاً ص: ۵۵
(۴۰) ایضاً ص: ۱۹۸
(۴۱) ایضاً ص: ۳۹۱، ۳۹۲
(۴۲) ایضاً ص: ۱۱۵، ۱۱۹
(۴۳) کلیات مکاتیب رضا، ص: ۱۶۹
(۴۴) ایضاً ص: ۳۵۶
(۴۵) ایضاً ص: ۱۹۶، ۱۹۷

(۴۶) محمود احمد قادری پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ناشر مکتبہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۹۹ تا ۲۰۲

(۴۷) ایضاً ص: ۲۰۷

(۴۸) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص: ۲۰۳ تا ۲۰۷

(۴۹) ایضاً ص: ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷

(۵۰) غلام رسول مہر، خطوط غالب، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۲ء، ص: ۲۷۳

(۵۱) محمد احمد قادری، پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبہ، نبویہ، لاہور، ص: ۴۷

☆

زوجات...... زجاج ہیں...... بیویاں نازک شیشاں ہیں

انھیں عزت دو...... انھیں تحفظ دو

شوہر! صدف ہیں...... بیوی، موتی

اسے چھپائے رکھو...... اسے بچائے رکھو

مرد! پھول ہیں...... عورت خوشبو

تم اس میں سما جاؤ...... وہ تم میں سما جائے

غور سے سنو!

شرم و حیا کے رنگ سے...... اپنی دیواریں رنگ دو

محبت و وفا کے جھومر سے...... اپنی چھت سجا لو

لذت ہی لذت...... راحت ہی راحت

سکون ہی سکون پاؤ گے

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۸، ۲۹)

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط

(پس منظر)

پروفیسر محمد ایوب قادری
ہسٹریکل سوسائٹی، کراچی، پاکستان

(انوار رضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۲۸۲ تا ۲۸۴)

☆

مسجدیں بھری پڑی ہیں......

لوگوں کے دل دولتِ ایمان، لذت عبادت سے خالی

نماز پڑھی...... مسجد سے نکلے...... دروازے پر آتے ہی

وہی بک بک...... وہی بکواس...... وہی فضولیات...... وہی فواحش

اصلاح احوال کی کوئی فکر نہیں

قرآن کہتا ہے:

''نماز فواحش ومنکرات سے روکتی ہے''

غور کرو!

تم نے نماز پڑھی......؟

حاجی...... حج کر کے آتا ہے

پھر وہی حال...... وہی ماحول

وہی چال ڈھال...... وہی گورکھ دھندا

حدیث کہتی ہے:

حاجی ایسا ہی ہے...... جیسے نومولود بچہ...... یعنی بالکل بے گناہ

بتاؤ!...... تمہارا حج ہوا؟

یہ نماز...... یہ حج

کیا دکھاوا تو نہیں؟

(پروازِ خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۳۳)

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط

(پس منظر)

پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا حلقہ عقیدت وارادت بہت وسیع تھا۔ اسی اعتبار سے ان کی خط وکتابت کا سلسلہ بھی دراز ہوگا۔ افسوس کہ فاضل بریلوی کے خطوط ومکاتب کی جمع وترتیب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ ورنہ مذہبی، علمی اور سوانح اعتبار سے یہ ایک اہم ذخیرہ ہوتا۔ مولانا کے کچھ خطوط ان کی سوانح عمری وحیات اعلیٰ حضرت مرتبہ مولانا ملک العلماء ظفرالدین بہاری) اور دوسرے رسائل میں بھی شامل ہیں لیکن ان میں زیادہ تر اوراد وظائف اور نسخہ جات درج ہیں۔

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خط ہمیں ان کے ایک خاص عقیدت کیش حافظ محمد حسین ولد غلام حسین بریلوی سے دستیاب ہوئے جو موجد طلسمی پریس کے عرف سے زیادہ معروف ہیں۔ حافظ محمد حسین رہنے والے تو دراصل بریلی کے تھے۔

ان تینوں خطوں کے مندرجات دو حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

۱) پہلے حصے میں فاضل بریلوی نے مطلوبہ کتاب کی نقل کے سلسلے میں یا تو ہدایات دی ہیں یا بعض امور کی وضاحت چاہی ہے، اور کچھ کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں بھی نوشت وخواند کی ہے۔

۲) دوسرا حصہ زیادہ اہم ہے، اس سلسلہ میں فاضل بریلوی نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب ''فلسفہ جذبات'' کی بعض ان عبارتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن پر ان کی تکفیر کی گئی تھی، جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے دریابادی صاحب کی حمایت کی تھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خاموشی اختیار کی تھی، فاضل بریلوی نے اس طرز عمل پر ان حضرات کی بھی گرفت کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں فاضل بریلوی کا موقف صحیح تھا، اور مولوی عبدالماجد دریابادی کا وہ دور بقول خود'' الحاد و دہریت'' کا دور تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیاوی لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح شمار کیا تھا اور اسی اصول پر انبیاء کے حالات وسوانح کا تجزیہ کیا تھا، مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب ''فلسفہ اجتماع'' (مطبوعہ الناظر پریس لکھنو، ۱۹۱۵ء) ہمارے پیش نظر ہے، اس میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جن کی طرف فاضل بریلوی نے اشارہ کیا ہے، ہم ان عبارتوں کو یہاں قصداً درج نہیں کر رہے ہیں، اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے خویش ابو عاصم بی اے ایل ایل بی رقمطراز ہیں۔

''دریابادی نے علی گڑھ اور لکھنو میں تعلیم پائی، کیننگ کالج لکھنو سے ۱۹۱۲ء میں گریجویٹ ہوئے، وہ فلسفہ اور نفسیات کے ایک مایہ ناز طالب علم تھے، ان کی پہلی تصنیف ''نفسیات قیادت'' (The Peychlogy of Leadershp) ۱۹۱۴ء میں لندن سے T, Fisher نے شائع کی، اس تصنیف کی بدولت انہیں انگلینڈ کی (Aristotlian Society Of Psychology) کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوا، ہندوستان اور انگلستان کے مختلف جریدوں اور اخباروں میں اس کتاب پر تبصرے ہوئے اور سب نے اس کی تعریف کی مسز اینی بسنٹ نے نیو انڈیا، (New

(India) میں دل کھول کر تعریف کی۔

اس کتاب میں ماجد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ناخوش گوار کلمات لکھ دیے تھے، یہ وہ دن تھے جب بقول ماجد عیسائی مصنفین سے متاثر تھے، اس کتاب کو دریابادی نے مولانا محمد علی مرحوم کے پاس بھیجا، جو ان دنوں چھندواڑہ جیل میں تھے مولانا نے کتاب کی تعریف تو کی لیکن اس لہجہ کی مذمت بھی کی، جو عیسائی مشنریوں کے مانند تھا، مولانا مرحوم نے بہت سخت الفاظ میں دریابادی کو لکھا کہ "میں رسالت کے صحیح مقام سے واقف ہوں رہنمایت اور رسالت کی بنیادیں ہی مختلف ہیں"۔

اس سلسلے میں مولوی عبدالماجد دریابادی کی داستان خود ان کے قلم سے سنئے۔

"سن شعور پر پہنچ کر پہلی بار باضابطہ کتاب "فلسفہ جذبات" قلم سے ۱۹۱۳ء میں نکلی، جن کا اس وقت اکیسواں سال تھا، کتاب انجمن ترقی اردو نے لکھوائی اور اسی نے چھاپی، صحیح نام "نفسیات جذبات" ہونا چاہیے تھا، مگر نفسیات کی اصطلاح اس وقت تک نامانوس تھی، اب اس کوتاہیوں پر ہنسی تو کم آتی ہے، غصہ زیادہ آتا ہے دوسری کتاب ہر اعتبار سے لغو "فلسفہ اجتماع" لکھ ڈالی جس کا ایک ایک صفحہ الحاد سے داغدار اس کی اشاعت وفروخت مدت دراز ہوئی، بند کرا چکا ہوں..... دس سال تک ملحد رہنے کے بعد پھر انقلاب پیدا ہوا۔

اس داستان کو بھی دریابادی صاحب ہی کے زبان قلم سے سنئے:

"پڑھنے کا مریض شروع ہی سے تھا، پڑھتا تھا اور اندھا دھند پڑھتا تھا، ۱۹۰۸ء میں ہائی اسکول پاس کر کے گرمیوں کی بڑی چھٹیوں میں لکھنو آیا اور ابھی انٹر میڈیٹ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ ایک عزیز کے یہاں ٹھہرا ان کی کتابوں میں ایک انگریزی کتاب پر نظر پڑی، (ELEMENTS OF SOCIAL

(SCIENCE مصنف بعد کو معلوم ہوا کہ کوئی ملحد ڈاکٹر (DOYSDALE) نامی تھا
اس پہلے اڈیشن پر اس کی صرف ڈگری درج تھی اور اس سن میں اور اس زمانے میں ذہن کو
مرعوب کرنے کے لئے محض یہ اونچی ڈگری کافی تھی۔ پھر کتاب کا انداز بیان بھی خطیبانہ،
پر جوش اور ہر ہوائے نفس کے عین مطابق، بلکہ اسے اور تیز کرنے والا، کتاب کا خلاصہ
درخلاصہ یہ تھا کہ یہ اخلاقی بندشیں سب مذہب والوں نے گڑھ رکھی ہیں جب اپنے میں
اتنی جسمانی قوت آجائے، تو ہر نفسانی خواہش آزادی سے پوری کر سکتے ہیں، نکاح وغیرہ
کی قید کے کوئی معنی نہیں، طبیعت کو دباتا اور روکے رکھنا، تو اور مضر صحت ہوگا، وغیرہ وغیرہ،
نفس مذہب کے خلاف پہلا اثر اس وقت طبیعت نے قبول کیا۔ پھر کچھ دن بعد جب
لکھنو میں مستقل قیام ہوگیا اور انٹر میڈیٹ میں پڑھنے لگا۔ انگریزی لازمی کے ساتھ
تاریخ انگلستان، منطق اور عربی کے اختیاری مضامین لے کر کتابوں کے عشق میں علاوہ
کالج لائبریری کے دوسری لائبریریوں کے بھی چکر لگانے لگا ایک دن اتفاق سے ایک
لائبریری میں کئی جلدوں میں ایک کتاب دیکھی، نام اب (International
Library Of Famous Literature) یاد پڑتا ہے، اچھے مصنفین کی
تصانیف ومضامین کا انتخاب تھا ایک مضمون سیرت نبوی پر بھی تھا، غالباً واشنگٹن ارونگ
کے قلم سے، اس کے ساتھ ایک پورے صفحہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی
معاذ اللہ! چہرے سے خشونت اور غضب کی برستی ہوئی، نہ کہیں ترحم، نہ شفقت، کمر سے
تلوار لٹکتی ہوئی اور شانے پر ترکش وکمان، رحمۃ اللعالمین کے تخیل سے کوئی دور کی بھی
مناسبت نہیں اور اس کے نیچے حوالہ کسی قدیم قلمی کتاب کا دیا ہوا تھا، یہ گمان تو اس سنہ
اور وقت کی اس فضا میں گزری نہیں سکتا تھا کہ یہ تصویر مصنوعی یا جعلی ہو سکتی ہے۔ یہ
تو بہر حال صحیح ہو نہ ہو، یہ خیال ہی غلط تھا جواب تک رحمت عالم سے متعلق دماغ میں

جاگزیں تھا! نقش مذہب کی طرف سے تزلزل تو اس ڈاکٹر والی انگریزی کتاب نے پیدا ہی کر دیا تھا۔ اب اس تصویر کمبخت نے براہ راست اسلامیت پر ضرب کاری لگادی۔

طبیعت کسی دوسرے مذہب کی طرف مطلق راغب یا مائل نہ ہوئی، البتہ الحاد و دہریت اور بے دینی کے لئے جگہ دل و دماغ میں پیدا ہونے لگی، یہ کایا پلٹ ایک سال کے اندر ہو گئی اتنے میں ایک غیر مسلم یورپ زدہ دوست کے یہاں لندن کی ریشلسٹ ایسوی ایشن (انجمن عقلیین) کی بعض مطبوعات دیکھیں، اور خود بھی گرویدہ ہو کر منگانا شروع کر دیں، کتابیں سب کی سب سستی قیمتوں کی تھیں اور سائنس، فلسفہ، تاریخ، وغیرہ کسی نہ کسی علمی عنوان کے غالب میں عموماً مذہب ہی حملہ آور ہوتی تھیں ان کتابوں کے مسلسل مطالعہ نے اسلام سے اتنی دوری اور بے دینی میں اتنا پختہ کر دیا کہ ۱۰ء کے شروع میں جب انٹرمیڈیٹ کے امتحان کا فارم بھرنے لگا تو مذہب کے خانے میں اپنا مذہب بجائے اسلام کے "ریشنلزم" (عقلیت) درج کر دیا اور جب نوبت بی، اے میں پہنچ کر نفسیات کے زیادہ وسیع مطالعہ کی آئی تو اب اپنی شناخت سے اور اور کتابیں اس مضمون سے نظر سے گذریں..... کہ وحی الہام سب ڈھکوسلے ہیں، یا غیر طبعی نفسیاتی کیفیتیں، محض صورتیں اختلال دماغی کی ہیں، کریلا یوں ہی کیا کم کڑوا ہوتا ہے اور پھر جو نیم چڑھا ہوا ہو، رفتہ رفتہ ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرح کا بغض وعناد پیدا ہو گیا"۔

مولوی عبدالماجد دریابادی کی "سرگذشت الحاد" اگرچہ طویل ہو گئی مگر اس میں عبرت کا بڑا سامان موجود ہے کسی قوم کا اپنا نظام تعلیم نہ ہونے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج بھی ہم اس منزل میں ہیں۔ دریابادی کی سرگزشت کی اس روشنی میں فاضل بریلوی کے مندرجات کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

فاضل بریلوی کے ان خطوط کی نقل ہم نے حافظ محمد حسین موجد طلسمی پریس مرحوم سے حاصل کی تھی، یہ خط ہولڈر سے لکھے ہوئے تھے، خط صاف اور واضح تھا، کوئی لفظ قلم زدہ نہیں تھا، یہ تینوں خط لفافوں کی صورت میں لکھنو بھیجے گئے تھے، مختصر سے حواشی بھی تحریر کر دیے گئے ہیں۔

اللّٰہ

سبحانہٗ وتعالیٰ جل جلالہٗ

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی
سابق پروفیسر ایم ایچ پی جی کالج مراد آباد

(سہ ماہی ''افکار رضا'' بمبئی جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء)

ص: ۱۹ تا ۲۷

چراغ تو ہے...... پر روغن نہیں
چولہا تو ہے...... پر ایندھن نہیں
تالا تو ہے...... پر چابی نہیں
کشتی تو ہے...... پر ناخدا نہیں

بڑوں کا پیار...... چھوٹوں کے لیے...... روغن ہیں
بزرگوں کی محبتیں...... چھوٹوں کے لیے...... ایندھن ہیں
اکابر کی شفقتیں...... اصاغر کے لیے...... چابیاں ہیں
اسلاف کی تربیتیں...... اخلاف کے لیے...... ناخدا ہیں

کبار کو...... روغن بن جانا چاہیے
رہنماؤں کو...... ایندھن بن جانا چاہیے
علماء کو...... چابی بن جانا چاہیے
زعماء کو...... ناخدا بن جانا چاہیے
کہ چھوٹوں کی زندگیاں سنور جائیں

کنویں سے پانی نہ نکلے...... خلق کی پیاس نہ بجھے
تو لوگ!
اسے کیا کہیں گے...... کنواں یا پتھر بنا ہوا؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۰، ۳۱)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

ڈاکٹر صابر سنبھلی، صدر شعبہ اردو، ایم، ایچ، پی، جی کالج، مرادآباد

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر نثر نگاری کی اور اردو ادب کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا۔ لیکن ابھی تک نہ تو ان کی نثر کی کمیت کا صحیح اندازہ ہو پایا ہے اور نہ کیفیت کا۔ جیسا کہ سبھی جانتے ہیں ان کی نثر کا موضوع اول تا آخر دین اسلام رہا۔ لیکن طویل مدت تک لکھنے اور بسیار نویسی کے باعث ان کی نثر کا اسلوب بھی ایک نہیں ہے۔ تحقیقی تحریروں کا اسلوب الگ ہے تو تنقیدی تحریروں کا الگ، فقہ کا الگ ہے تو عقائد کا الگ، منقولات سے کام لیتے ہیں، تو انداز بیاں اور ہوتا ہے اور معقولات کا سہارا لیتے ہیں، تو اور۔ فلسفے اور منطق میں نثر کا جو انداز ہے، سائنسی موضوعات میں اس سے ہٹ کر ہے۔ جہاں عقلیت کی کارفرمائی ہے۔ وہاں تحریر کا رنگ دوسرا ہے اور جہاں جذبات عشق رسول الفاظ کا جامہ پہنتے ہیں وہاں کوئی اور۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک ان اسالیب کو متعین نہیں کیا جاسکا ہے اور یہ کام ایک مضمون میں ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کیلئے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور اس کام کو ایک منصوبے کے تحت ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔ شاید کوئی امام احمد رضا کی نثر کو پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کیلئے موضوع بنالے تو اس کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔

مکتوب نگاری نثر کی ہی صنف ہے۔ کہا گیا ہے کہ مکاتیب سے شخصیت کو سمجھنے

میں بڑی مدد ملتی ہے۔ خطوط کا اسلوب ادبی تحریروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اندازہ ہے کہ امام احمد رضا نے زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے۔ لیکن ہم تک ابھی ان کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی پہنچا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی خطوط نگاری کا علمی انداز میں جائزہ لیا جائے، کیونکہ یہ بھی ان کی نثر نگاری کا اہم حصہ ہیں۔

امام احمد رضا کے مکاتب کی تلاش ہوئی، تو سننے میں آیا کہ پاکستان میں ان کا کوئی بڑا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود وہ بھارت میں دستیاب نہ ہو سکا۔ ان کے جو خطوط راقم السطور کے علم میں سب سے پہلے آئے، وہ حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی سید عرفان علی بیسلپوری مرحوم کے نام لکھے گئے تھے۔ جو ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' جو مرتبہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری بہاری کے آخری شامل ہیں۔ ان کی کل تعداد ۵۷ ہے جن میں سے ۴۳ ملک العلماء کے نام اور ۱۲، سید صاحب کے نام ہیں۔ ایک خط مولانا لعل محمد خاں مدراسی کے نام اور ایک خط خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کے نام ہے۔

''اکرام امام احمد رضا'' مصنفہ مولانا مولوی محمد برہان الحق جبل پوری میں اردو کے ۲۰ مکاتیب شامل ہیں۔ ان کو ملا کر تعداد ۷۸ ہو گئی۔ خواہش ہوئی کہ ایک سو خطوط دستیاب ہو جائیں تو کچھ لکھوں۔ حسن اتفاق کہ '' مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی'' مرتبہ مولوٰنا محمود احمد قادری دستیاب ہو گئی۔ اس میں شامل کل مکاتب کی تعداد ۱۰۹ ہے۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ لیکن جب مطالعہ کیا تو مایوسی ہوئی۔ اس مجموعے میں ۹ خط ''اکرام امام احمد رضا'' سے نقل کیے گئے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلانا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول سے ۶۵ خطوط اس میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ انہیں نکال کر تعداد ۳۵ رہ گئی۔ ان ۳۵ میں بھی ۵ خطوط جو شیخ محمد کی

کے نام لکھے گئے ہیں عربی میں ہیں۔ اگرچہ ان کا ترجمہ بھی شامل مجموعہ ہے۔ لیکن معلوم نہیں ترجمہ کس نے کیا ہے۔ اس لئے اردو مکتوب نگاری پر لکھتے ہوئے ان کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ایک خط مولانا عبدالسلام صاحب کے نام بھی عربی میں ہے۔ ان کو نکال کر اردو مکاتب کی تعداد کل ٢٩ رہ گئی۔ گویا جس کتاب میں ١٠٩ خطوط شامل ہیں اس سے صرف ٢٩ خطوط کا فائدہ متصور ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل بے تکی اور اٹ پٹی معلوم ہوگی۔ کوئی اس کو کاتب کی غلطی بھی قرار دے سکتا ہے۔ جس کسی نے مندرجہ بالا پیراگراف کو غور سے پڑھا ہے وہ یہ سوال کرسکتا ہے۔ کہ مولانا محمود احمد صاحب نے ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے ٦٥ خطوط کیسے نقل کر لئے۔ جب کہ اس کتاب میں کل ٥٧ خطوط ہیں؟ سوال درست ہے اور جواب بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

مجموعہ ''مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی'' کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں صفحہ ٥٣ تا صفحہ ٧٧ ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے ٢٦ خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ مولانا صاحب نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ جن خطوط پر حضرت ملک العلماء نے تاریخ کا اندراج نہیں کیا تھا انہوں نے ان کی ترقیم کی تاریخیں بھی لکھ دی ہیں۔ پھر صفحہ ١٠٣ پر ایک خط بنام حاجی محمد لعل خان مدراسی اور صفحہ ١٠٤، ١٠٥ پر خط بنام خلیفہ تاج الدین احمد کو بھی ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے نقل کردیا ہے۔ اس طرح یہ تعداد ٢٨ ہوگئی۔ اس کے بعد صفحہ ١٥٧ پر ''اضافات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ و مولانا عرفان علی قدس سرہ کے نام، مزید مکتوبات''۔

عنوان دے کر ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے ٢٧ خطوط کے عکس شامل کردیے ہیں۔ اس طرح کچھ خطوط کی تکرار ہوگئی ہے۔ مندرجہ بالا سرنامے میں لفظ''

مزید'' کو ذہن میں رکھیے اور خطوط کی تکرار کو دیکھیے، تو یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ مولانا نے خطوط کو غور سے پڑھا بھی نہیں ہے یا ذمے داری سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مرتب مجموعہ مولانا محمود احمد صاحب قادری نے مقدمے میں (زیر عنوان تقدیم) صفحہ ۲۱ پر یہ بھی لکھا ہے کہ خطوط کی نقل پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی عنایت سے حاصل ہوئی۔ جب کہ آخری ۲۷ خطوط ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' کے خطوط کے فوٹو ہیں۔ (صرف خطوط کے نمبر محو کر دیے گئے ہیں۔) آخری خط پر تو یہ تماشا بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ'' حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' کا ترقیمہ بھی چھپ گیا ہے۔ جب کہ کتاب کا نام'' مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی'' ہے۔ غالباً مرتب صاحب نے اس لطیفے پر غور ہی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ دوسرے ایڈیشن میں بھی وہ یوں ہی چھپا رہا۔ بہر حال مجموعے کے مکاتیب کو ملا کر مکاتیب کی تعداد ۱۱۷ ہو گئی ہے۔

مضمون لکھنے کے لئے یہی خطوط کافی تھی۔ لیکن بعد میں '' مکتوبات امام احمد رضا بریلوی'' مرتبہ مولانا پیر محمود احمد قادری (غالباً مرتب سابقہ مجموعہ) مع'' تنقیدات وتعاقبات'' مرتبہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب بھی دستیاب ہو گئی۔ جس میں فاضل بریلوی کے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے نام لکھے ہوئے ۲۲ خطوط شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر طویل ہیں۔ ان کے علاوہ دو خط اور بھی ہیں۔ ان کو ملا کر یہ تعداد ۱۴۱ ہو گئی (خطوط شماری میں کہیں غلطی ہو، تو اس کیلئے معذرت خواہ ہوں اور پیشہ وربنیوں کی طرح'' بھول چوک لینی دینی'' بھی لکھے دیتا ہوں)

ان سب خطوط پر خامہ فرسائی بھی اس ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ سبھی خطوط پر طائرانہ نظر ڈال لی ہے۔ بحث میں سارے خطوط شامل نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ سبھی خطوط علماء کے نام ہیں۔ اس لئے القاب تو عالمانہ ہیں ہی انداز بیان بھی

زیادہ تر عالمانہ ہی ہے۔ امام احمد رضا کو غیر عالم (غیر عربی و فارسی داں) بلکہ کم پڑھے لکھے بھی خطوط لکھتے ہوں گے اور ان کے جواب بھی دیئے جاتے ہیں لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں۔ علماء کو تو خطوط لکھتے ہوئے ان کے علمی معیار کے پیش نظر مشکل زبان ہی استعمال کی جاتی ہوگی۔ لیکن عوام کو لکھے گئے خطوط یقیناً سادہ لو اور عام زبان میں ہوتے ہوں گے۔ اس کا ثبوت بھی بعض خطوط سے ملتا ہے۔ اگر عوام کے نام لکھے ہوئے خطوط بھی دستیاب ہو جاتے تو نتائج دلچسپ ہو سکتے تھے اور امام صاحب کے مکاتیب میں متنوع اسالیب کا سراغ مل سکتا تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ دستیاب ۱۱۷ خطوط میں بھی عام فہم اور سادہ زبان میں لکھے گئے خطوط موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں طویل خط بھی ہیں مختصر بھی۔ طویل خطوط میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا مرقومہ خط ۳۴ صفحات پر اور انہیں کے نام ۲۶ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا لکھا ہوا خط ۲۱ صفحات پر محیط ہے۔ مولانا عبدالباری کو لکھے گئے خطوط میں زیادہ تر علمی بحثیں تھیں۔ اس لئے طویل ہو گئے۔ لیکن ان کے نام مختصر خطوط بھی دستیاب ہیں۔ جیسے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی رسول الکریم

جناب مولانا!

تسلیم، میرے ایک نیاز نامے کو دس دن ہوئے دوسرے کو میں جناب تحریر فرما چکے کہ میرا سوال صاف ہے۔ پھر جواب سے اعراض کی وجہ سمجھ میں آئی، نہ لکھنؤ جیسے شہر میں آپ جیسے شخص کو خط نہ پہنچنا متوقع، پھر بھی احتیاطاً دونوں کی نقل حاضر۔ بواپسی ڈاک جواب عنایت ہو۔ فقط

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ، بقلم محرر ۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ

اس خط کا مضمون پوسٹ کارڈ کے ایک رخ پر آسکتا ہے۔ ایک اور خط کا مضمون اس سے تقریباً دگنا ہے۔ وہ پوسٹ کارڈ کے دونوں طرف آسکتا ہے۔ کچھ مختصر خطوط آگے بھی نقل ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو عربی، فارسی زبانوں اور ان کی انشاء پر خاص قدرت ہوتی ہے۔ وہ سادہ اور سہل اردو میں لکھ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے سامنے اس کی ایک مثال جناب ابوالکلام آزاد کی ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے اس مفروضے کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ سادہ اور سہل زبان لکھنے پر بھی قادر تھے۔ چند مثالیں درج ہیں۔

۱ ''قریب تین مہینے ہوئے کہ مکان سے جدا ہوں۔ ہفتوں میں ڈاک جمع ہو کر مجھے ملتی ہے۔ آپ کے تین خط ایک ساتھ پائے۔ رسالہ ''نور الفرقان بین جند الالہ وحزب الشیطان'' صاف شدہ تھا۔ مصطفی رضا نے دو دن تلاش کیا، نہ ملا۔ ناچار اس کا اور ''اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والآل والاصحاب'' کا مسودہ بھیجتا ہوں۔ بعد فراغ باحتیاط ملے۔[۲]''

۲۔ ''وہابیہ خذلہم اللہ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔ بھاگل پور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہو گیا۔ یہ خط اصل ہے۔ بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لئے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا۔ وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحان بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں۔ مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔[۳]

۳ ''مولانا تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے۔
بعد نماز عشاء آپ ایک سو گیارہ بار ''طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر'' پڑھ لیا کیجئے۔
اول آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت
باکرامت رکھے۔ ان سے فقیر کا سلام کہیے۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ
دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح
وشام سوتے وقت، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔''[۴]

زیر نظر مکاتب میں ایسے نثری ٹکڑے اور بھی ہیں۔ طوالت کے خوف سے مزید
مثالیں نہیں دے رہا ہوں۔ یہ مکاتب سلیس سادہ نثر کے نمونے ہیں۔

امام احمد رضا کے زیر نظر مکاتب میں سلیس رنگین نثر برائے نام ہے۔ اس لئے
مثالیں بھی نہیں نقل کر رہا ہوں۔ البتہ دقیق سادہ نثر کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ''فقیر کو بھی پانچ روز سے تپ آئی ہے۔ تین روز غفلت رہی۔ کل مسہل تھا۔
اب بہ برکت دعائے سامی بحمد اللہ تعالیٰ بہت تخفیف ہے۔ البتہ دماغ وصدر پر نوازل کی
کثرت ہے۔ حرارت کا بھی بقیہ ہے اور ضعف زائد۔''[۵]

(۲) ''یہ فقیر حقیر باصف کثرت معاصی ہر آن غیر محدود و نامتناہی نعم رب اکبر عز
جلالہ وسید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ڈھائی سال سے
اگرچہ امراض درد کمر ومثانہ وسر وغیرہا امراض کا لازم ہو گئے ہیں۔ قیام وقعود، رکوع وسجود
بذریعہ عصا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ کثرت اعداء روز
افزوں ہے اور حفظ الحق تفضیل لامتناہی شامل حال۔''[۶]

(۳) ''مولانا! اکرما! بحمد اللہ تعالیٰ یہی جان کر تو گزارش کی تھی کہ ملازمان سامی نہ
صرف مومن بلکہ عالم صافی صوفی صفی ہیں۔ اس بنا پر امید کی تھی اور ہنوز یاس نہیں کہ

مذہب اہلسنت کے ضرر پسند نہ فرمائیں گے۔ آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے، تو غور نہ فرمایا۔ یا غور فرمایا، تو انہیں تحریرات کتب و مضامین ندوہ سے نہ ملایا۔ ورنہ آپ جیسے فضلاء پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔'' ؎

زیر نظر مجموعوں میں دقیق رنگین نثر بھی کم ہے۔ لیکن معدوم نہیں ہے۔ ایک اقتباس نقل ہے۔

''میرے عوام بھائی، مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں اذباب فی ثیاب کی جبوں عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں، قال اللہ وقال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگان خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔'' ؎

امام احمد رضا کے مکاتب میں روانی اس قدر ہے کہ پڑھتے وقت نہ کہیں نظر رکتی ہے نہ شعور کو دھچکا لگتا ہے بالکل وہی انداز ہے جو فتاویٰ اور عقائد کی کتب میں ہے۔ روانی کے لحاظ سے امام صاحب کی عالمانہ تحریروں (بلکہ کتابی تحریریں کہنا چاہیے، کیونکہ علم وعرفان کے دریا تو ان کے مکاتب میں بھی بہائے گئے ہیں) اور ان مکاتب میں کوئی فرق نہیں۔ ہر جملہ اپنے اگلے پچھلے جملوں سے اسطرح جڑا ہوا ہے کہ بسا اوقات جملہ ختم ہونے اور شروع ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ راقم السطور کی نظر میں کسی بھی نثر کی یہ بڑی خوبی ہے۔ ورنہ حروف عطف کے استعمال میں اچھوں اچھوں کو ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے۔

مکاتب کی نثری خاصیت کے ذیل مین اب تک جو اقتباسات نقل ہوئے ہیں وہ سب عالمانہ ہونے کیساتھ ساتھ سنجیدہ بھی ہیں۔ لیکن حضرت امام احمد رضا بڑا اچھا مزاح بھی فرما لیتے تھے۔ فقہی اور تردیدی تحریروں میں تو اسکے نمونے ملتے ہی ہیں۔ بعض خطوط میں بھی انہوں نے لطیف مزاح فرمایا ہے۔ تین نمونے حاضر کر رہا ہوں۔

(۱) مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے بھتیجے مولوی عبد اللہ فرنگی محلی نے کسی خط

میں (جو '' ہمدم '' میں چھپا تھا) لکھا تھا۔ '' یاد رکھو اگر کسی میں ۹۹ آثار کفر ہیں اور ایک اثر ایمان ہے۔ تو احناف کے نزدیک وہ شخص ضرور مسلمان کہا جائے گا۔ '' اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' کیا حنفیہ کرام کا معاذ اللہ یہی مذہب ہے کہ ہمیشہ دن میں ۹۹ بار مہادیو کے آگے گھنٹی بجایا کرے اور کسی وقت دو رکعت نماز بھی پڑھ لیا کرے۔ اسے ضرور مسلمان کہا جائے گا۔ ''

(۲) '' لوگ جناب کو باری میاں سے تعبیر جناب کے پیچھے کرتے ہیں۔ جناب کے منھ پر کرتے ہیں جناب انکار نہیں فرماتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باری میاں کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے ہیں۔ عبد الباری سے باری ہو گئے۔ وہ جہال اگر اپنے جہل کے سبب معذور ہوں، جناب تو اپنے منھ بہت بڑے مجدد مدراس ہیں۔ آپ کے لئے سوا اپنی الوہیت تسلیم کرنے کے اور کیا محمل ہے۔ باری یقیناً اسمائے حسنٰی سے بمعنی خالق کل ہے۔ بھلے سے اسم شریف عبد اللہ نہ ہوا ورنہ اللہ میاں کہلواتے اور اس پر بولتے '' ۱۰

(۳) '' سولھویں گل سنجر گانہ نقالی۔ بعض کمسن بچوں میں طرف مقابل کو عاجز کرنے کا ایک طریقہ معمول ہے۔ جسے وہ بندانوں کی کہانی کہتے ہیں کہ فریق جو کچھ کہے وہی لوٹ کر کہہ دیا جائے مثلاً الف کی دونوں آنکھیں ہیں۔ '' ع '' میری تو دونوں آنکھیں ہیں '' الف '' تو جھوٹا ہے '' ع '' تو جھوٹا ہے۔ '' الف '' جس سے چاہے، پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا ''۔ ع '' جس سے چاہے پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا '' الف سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے۔ '' ع '' سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے۔ '' الف '' مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی الٹ دیتا ہے ''۔ ع '' مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی الٹ دیتا ہے۔ '' آخر الف کو یہی کہ سراسر حق پر ہے چپ رہنا پڑتا ہے اور اس کانے کے چھپنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ اپنے

وہ سلسلہ نکالا ہے جسے انتہا نہیں۔ جناب یہی طریقہ میرے ساتھ برتنا چاہتے ہیں۔"!!

ان خطوط میں روانی کے علاوہ دوسری خوبی قوت استدلال کا موجودہ ہونا ہے۔ چونکہ خطوط طویل ہیں اور ان میں کثرت کیساتھ علمی مباحث ہی اسلئے ہر جگہ بیشتر عقلی اور کمتر نقلی دلائل کا زور ہے۔ اگر نقلی دلائل کی فراوانی ہوتی، تو یہ خطوط، خطوط نہ ہو کر مضامین کے قریب ہو جاتے۔ اب یہ اسلئے بھی مضامین نہیں ہیں کہ ان میں ہر جگہ مکتوب الیہم موجود ہیں۔ "غبار خاطر" کی طرح ایسا نہیں ہے۔ کہ "صدیق مکرم" کے بعد (ایک دو جگہ کو چھوڑ کر) جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں مکتوب الیہ کا کوئی حصہ ہی نہ ہو۔

استدلالی انداز کی فراوانی کے باوجود مثالیں اس لئے نہیں نقل کر رہا ہوں کہ مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مثالیں دی بھی جائیں، تو سیاق وسباق کے بغیر بات نہیں بنے گی اور سیاق وسباق کے اندرجات کے بعد طویل استدلالوں کا نقل کرنا مضمون کے حجم کو بڑھاتا ہی ہوگا۔ ایک دو مثال بھی کافی طوالت کا باعث ہو جائے گی۔ یوں بھی مضمون میں اقتباسات بہت نقل ہو چکے ہیں۔

نثر کی اہم خصوصیت تاثیر بھی ہے۔ جو مکتوب لکھے گئے ان کا مکتوب الیہم پر کیا اثر ہوا۔ یہ تو تحقیق کا موضوع ہے۔ جو باتیں معلوم ہین ان سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ اثر خوب ہوا۔ تاثر کی مثال کیلئے صرف ایک خط نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا سید عرفان علی بیسل پوری مرحوم کے صاحب زادے کی وفات پر تعزیت کا خط لکھتے ہیں۔

"اللہ کا ہے جو اسنے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے۔ اس سے کمی بیشی نا متصور ہے۔ بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آسکتی۔ ہاں! اللہ کا ثواب جاتا ہے۔ جو ہر چیز سے اعز واعلیٰ ہے اور محروم تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ صحیح حدیث میں ہے۔ جب فرشتے مسلمان کے بچے کی روح قبض کر کے حاضر

بارگاہ ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل فرماتا ہے، وہ خوب جانتا ہے۔ کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟ عرض کرتے ہیں ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے، تم نے دل کا پھل توڑ لیا؟ عرض کرتے ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے۔ پھر اسنے کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا۔ فرماتا ہے۔ گواہ رہو، میں نے اسے بخش دیا اور جنت میں اس کے لئے مکان تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے تین بچے نابالغی میں مرجائیں، آتش دوزخ سے اس کیلئے حجاب ہوجائیں گے۔ کسی نے عرض کیا اگر دو مرے ہوں۔ فرمایا دو بھی۔ ام المومنین صدیقہ نے عرض کی، اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو۔ فرمایا ایک بھی۔ اے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔

طوالت کے خوف سے خط پورا نقل نہیں کیا ہے۔ آگے بھی صبر کی تلقین ہے۔ ایسے تعزیت نامے کو پڑھ کر کس کا دکھی دل قرار نہ پائے گا۔ دیگر تعزیت ناموں میں بھی ان باتوں کا ذکر ہے۔ یہاں غور طلب یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر تسلی اور تسکین کیلئے اور کون سے کلمات ہوسکتے ہیں۔ شاید ہی کسی نے اس سے زیادہ پر تاثیر تعزیت نامہ لکھا ہو اور اگر لکھا بھی ہوگا، تو یہی باتیں ہوں گی۔ ان کلمات کے علاوہ دیگر کلمات کسی مسلمان کے زخمی دل پر ایسا کارمرہم نہیں کرسکتے جیسا یہ کلمات کرتے ہیں۔

مکاتب کاروباری نثر میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کے مکاتب کا بڑا حصہ خالص علمی یا استدلالی نثر میں لکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ امام صاحب کے زیادہ سے زیادہ خطوط کو جمع کرکے شائع کرایا جائے۔ ان میں نہ جانے کتنے علوم و معارف کے خزانے پوشیدہ ہوں گے۔

مراجع و حواشی

۱) مکتوبات امام احمد رضا بریلوی مع تنقیدات و تعاقبات۔ ص ۲۰۸

۲) مکتوبات بنام حضرت ملک العلماء، مرقومہ ۲، صفر المظفر ۳۵ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص ۲۷۳، مکتوب نمبر ۲۰۔

۳) مکتوب بنام حضرت ملک العلماء، مرقومہ ۸۔ رجب ۳۶ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول ص ۲۷۴، مکتوب نمبر ۲۱۔

۴) مکتوب بنام سید عرفان علی بیسل پوری مرقومہ ۲۵ ذی الحجہ ۲۹ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۳۱۲، مکتوب نمبر ۴

۵) مکتوب بنام مولانا شاہ محمد عبد السلام جبل پوری، مرقومہ ۳ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ، مشمولہ اکرام امام احمد رضا، مصنفہ مفتی محمد برہان الحق جبل پور، طبع دوم، ناشر مجلس العلماء مظفر پور، ص ۶۳۔

۶) ایضاً، ص ۱۲۸۔

۷) مکتوب بنام مولانا محمد علی مونگیری، مرقومہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ مرتبہ مولانا محمود احمد قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور۔ طبع دوم، اگست ۱۹۹۰ء ص ۹۰۔

۸) مکتوب بنام مولوی اشرفعلی تھانوی۔ مرقومہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ، مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ ص ۱۱۵۔

۹) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ ۱۲، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ ص ۲۲۰۔۲۲۱۔

۱۰) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ دو ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ۔ مشمولہ ایضاً۔ ص ۲۸۲۔۲۸۳۔

۱۱) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ ایضاً ص ۱۳۹۴ھ

۱۲) مکتوب مرقومہ ۲۰ ذیقعدہ ۳۶ھ۔ مشمولہ حیات اعلیٰحضرت، حصہ اول ص ۳۰۸۔۳۰۹۔

❁ ❁ ❁

ملک العلماء مکتوبات رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
ڈائریکٹر الرضا اسلامک مشن، بریلی

(ماہنامہ "جہان رضا" لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص: ۱۲ تا ۲۱)

☆

نجاست کا ایک قطرہ..... بھر مٹکا پانی کو ناپاک کر دیتا ہے
دہی کے چند قطرے..... دودھ سے لبریز برتن کو جما دیتے ہیں
سماج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں..... جو فطرت میں انتہائی غلیظ ہیں
شراب کی طرح
کپڑے تو سفید ہیں، بگلوں کی طرح..... اور اندرون نجس، خنزیر کی طرح
اسی سماج میں کچھ لوگ وہ ہیں..... جن کی مثال پارس کی سی ہے
سنار کی بھٹی ہیں وہ..... خام کو کندن بنا دیتے ہیں
ناقص کو کامل..... اور کامل کو اکمل کر دیتے ہیں وہ
ملت عزیز کے شہزادو!
راستے دو ہیں..... بیٹھکیں دو ہیں
دیکھنا یہ ہے!
تم کس پر چلتے ہو..... کہاں بیٹھتے ہو
مگر ہاں!..... یاد رکھو!!
حقیقی سرفرازی و سربلندی کے حقدار وہ ہیں
جو خود پارسا ہیں
پارسائی کو پسند کرتے ہیں

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۲، ۳۳)

ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی مکتوبات رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی بریلی شریف

خطوط انسانی کی سیرت و شخصیت کے بارے میں معلومات کا وسیلہ ہوتے ہیں اوران سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کا پتہ چلنے کے ساتھ ساتھ مکتوب الیہ کی سیرت و شخصیت بھی کافی حد تک اجاگر ہوتی ہے۔

دنیا کی عظیم شخصیتوں کے خطوط سے ان کی حیات و شخصیات کے بہت پوشیدہ گوشے سامنے آئے ہیں اوران کے متعلقین ومخالفین (جن کوانہوں نے خطوط لکھے ہیں) کے مزاج وکردار اور شخصیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

امام احمد رضا کا شمار بھی دنیا کی عظیم شخصیات میں ہوتا ہے، انہوں نے بھی اپنے احباب واصحاب اور مخالفین ومعاندین کو خطوط لکھے ہیں، کاش! آج امام محترم قدس سرہ العزیز کے مکاتیب یکجا ہوتے توان کی شخصیت کی اور بھی نئی جہتیں سامنے آتیں اور علم وتحقیق کے نئے باب وا ہوتے۔

یہ ہم مسلمانان اہل سنت بالخصوص رضویوں پر ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ والرضوان کا احسان ہے کہ اپنی تالیف ''حیات اعلیٰ حضرت'' (حصہ اول) کے توسط سے ۱۴ ویں صدی کے عظیم ترمجدد اور تبحر عالم، اعلیٰ حضرت امام احمد

رضا کی حیات و شخصیت اور ان کے کارناموں سے روشناس کرایا بلکہ ''مکاتیب رضا'' کے جلوے دکھا کر ان کے مکتوب نگاری کے انداز ان کے نثر کے شخصی اسلوب اور کئی اہم شخصیات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائیں۔

ملک العلماء ...... سیدنا مولانا محمد ظفر الدین قادری کو امام احمد رضا سے تلمذ بیعت اور خلافت واجازت کا شرف حاصل تھا، وہ برسوخدمت رضا میں رہے اور علم وفضیلت و معرفت کے اس مہر درخشاں سے کسب ضیاء کر کے اسمان علم وفضل کا ماہ تاباں بن گئے کہ آج بھی جن کی چاندنی سے علم وفن کے شہرستانوں سے لے کر فکر ونظر کے شبستانوں میں اجالا پھیلا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء ...... امام احمد رضا کے صف اول کے ان ۱۴ خلفائے کرام میں ہیں جن کا ذکر انہوں نے ''الاستمداد علی ارجیال الارتداد'' میں کیا ہے اور جنہیں بجا طور پر دربار امام احمد رضا کا چودہ رتن کہا جاسکتا ہے۔

''الاستمداد علی ارجیال الاتداد'' کے صحیفہ ۱۹ پر امام احمد رضا نے ملک العلماء کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

امام احمد رضا نے اپنے خلف اکبر وجانشین حجۃ الاسلام حضرت مولا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگ خلیفہ حضرت عبد السلام جبل پوری والد حضرت برہان الملت رحمۃ اللہ علیہم کے بعد تیسرے نمبر پر سیدنا ملک العلماء کا ذکر کیا ہے اور میرے ظفر کہہ کر یاد فرمایا ہے، اس سے ان کے لئے امام کی اپنائیت ومحبت اور قدر ومنزلت کا جو اظہار ہوتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں!

ملک العلما مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری کی ...... ولادت ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء، وصال ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء...... کو ہوا رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار کے ایک معزز اور علمی ودینی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، آپ کا نسب نامہ ۲۹ ویں پشت میں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے (۲)

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرزاق قدس سرہ العزیز ایک باعمل عالم دین تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' کے خطابات عطا فرمائے تھے۔

ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب نے ''حیات اعلیٰ حضرت کے حصہ اول'' میں امام احمد رضا کے ۵۷ خطوط درج فرمائے ہیں، ان میں ۱۲ خطوط مولانا عرفان علی بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں، ایک خط خلیفہ تاج الدین صاحب اور ایک منشی محمد لعل خاں (رحمۃ اللہ علیہم) کے نام اور ۲۳ خطوط خود ملک العلماء کے نام ہیں، خلیفہ تاج الدین اور منشی محمد لعل خاں صاحبان کے خطوط میں بھی ملک العلماء کا ذکر ہے اور انہیں سے ان خطوط کا تعلق ہے۔

امام احمد رضا نے ملک العلماء کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں انہیں جن القابات سے یاد کیا ہے، ان کے بچوں کی خیریت دریافت کی ہے، ان کے لئے دعائیں کی ہیں اور ملک العلماء سے جس طرح گھریلو قسم کی گفتگو کی ہے۔ ان سے کتب ورسائل اور کتابوں کی عبارات وغیرہ طلب کئے ہیں، فتاویٰ اور تصانیف کی تعریف کی ہے، فقہی مسائل، فلسفہ ومنطق، توقیت، تکسیر، ریاضی نجوم، ہیئت وغیرہ علوم وفنون سے متعلق کھل کر گفتگو کی ہے، انہیں ہدایت دی ہیں، مکاتیب کے ذریعہ درس بھی دیا ہے، انہیں مناظرہ

کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے، سلہٹ کے فتح پر مبارک باد دی ہے اور بہت سے دینی، تبلیغی اور اشاعتی امور پر مشورے طلب کئے ہیں اور ہدایات دی ہیں...... ان سے ملک العلماء اور رضا کے خصوصی تعلقات کا پتہ بھی چلتا ہے اور ملک العلماء کی سیرت وشخصیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

مکتوبات احمد رضا سے ملک العلماء کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) ملک العلماء سے محبت اور دل میں ان کی قدر ومنزلت (۲) دینی اور علمی معاملات میں ملک العلماء پر اعتماد۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول صفحہ ۲۶۵ میں آپ کی محبت اور قدر ومنزلت میں امام احمد رضا نے ملک العلماء کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا ہے۔

''حبیبی وولدی وقرۃ عینی ومولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب ...... ولدی وذینی وقرۃ عینی، برادر دینی، ولدی الاعز ولدی اعزک اللہ، میرے بجان عزیز، جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی لاعز مولانا ظفر...... وغیرہ۔

ان القابات سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر ومنزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے، امام احمد رضا نے ملک العلماء کی صاجزادیوں اور ان کے فرزند دلبند صاجزادہ ذی وقار پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کو دعائیں دی ہیں، ہر ایک کی خیریت دریافت کی ہے، ان کے لئے تعویذات بھیجے ہیں اور ٹھیک اسی طرح ملک العلماء صاحب کو ان سب کے متعلق ہدایات دی ہیں، جس طرح ایک شخص اپنے بیٹے کو اپنے پوتے اور پوتیوں کے بارے میں دھیان رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

(الف) ''ذی الحجہ میں آپ نے عزیزہ زرینہ اور اس کی بہن کا صحیح وقت

ولادت مع طول وعرض موضع ولادت کھینچنے کو لکھا تھا، اب تک نہ آیا، مولیٰ عزوجل آپ کو جزاء وافر عظیم عطا فرمائے، آپ کی رضائی بہت محل رضا میں کام آئی، اس جاڑے میں جو رضائی یہاں یعنی بھاری اور بہت روئی کی تھی، ایک ولایتی صابر قانع کو سخت ضرورت تھی، وہ ان کے نذر ہوئی اور آپ کے مرسلہ رضائی میں نے اوڑھی، جزاکم خیر جزاء کثیرا''۔

(مکتوب ۱۲، صفحہ ۲۶۰، حیات اعلیٰ حضرت)

(ب) ''وہ پرچہ باحتیاط رکھ دیا تھا، اب تلاش کیا نہ ملا، بچیوں کو دعا''۔ (صفحہ ۲۸۱)

(ج) ''آپ کا خط مژدہ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخی میں آیا، میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶) لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی، میں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھا، اب کہ خط آیا اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں جسے بھیجے ہوئے آج ۱۶ دن ہوئے، اگر ایسا ہے، تو اطلاع دیجئے کہ تار گھر سے مطالبہ ہو''۔(۱)

(د) ''نعمت تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجئے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶) کہ آپ کے نام سے ملتا ہوا بھی ہے۔ جو میں نے ۲۸ ذی القعدہ ۳۶ھ روز جمعہ کو بھیجا، کیا آپ کو ملا؟''

مکتوبات امام احمد رضا کے ظاہر ہے کہ صاحبزادۂ ملک العلماء عالی جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب کا یہ نام تاریخی سیدنا امام احمد رضا ہی کا رکھا ہوا ہے۔

ملک العلماء علیہ الرحمۃ نے اس کا ذکر بحوالہ سید ایوب علی قدس سرہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' ص: ۱۲۶ پر بھی فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''انہیں کا بیان ہے، پنجشنبہ کا دن ہے اور صبح کا وقت، حضور حجام سے خط بنوا رہے ہیں، قریب ہی تپائی پر بیٹھا ہوں کہ ڈاک میں ایک کارڈ مکرمی جناب مولانا

مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضل بہاری صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ سہرام مدظلہ العالی کا آیا۔ حسب ارشاد فقیر نے پڑھ کر سنایا، اس میں ممدوح نے فرزند ارجمند کی ولادت کی اطلاع دیتے ہوئے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی، حضور نے سنتے ہی فی البدیہ فرمایا، نام تو مختار الدین (۱۳۳۶) ہونا چاہیے اور دیکھئے، تو سید صاحب شاید تاریخ ہوگئی۔ میں نے جو شمار کیا تو پورے ۱۳۳۶ھ ہوئے اور یہی سن ولادت تھا''۔

یوں تو ہر سچا پیر اپنے مرید اور اپنے خلیفہ سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا ہے اور ہر ایک پر یکساں اپنی شفقتیں لٹاتا ہے۔ لیکن ہر ایک سے اس کی نیاز کیشی ' حد ادب' سعادت مندی اور علم و فضل وغیرہ کے اعتبار سے محبت بھی کرتا ہے اور عزت بھی اور اس پر فخر و ناز بھی کرتا ہے...... ملک العلماء کے معاملے میں امام احمد رضا کا یہی انداز تھا، یہ ملک العلماء کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اس سے ان کی سحر خیز شخصیت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

(۲) ملک العلماء پر اعتماد:

دینی، ملی، علمی، تبلیغی اور اشاعتی امور میں سیدنا امام احمد رضا حضرت ملک العلماء پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ ملک العلماء کے دینی درد، کام کرنے کی لگن، جذبے کے خلوص اور علم و فضل ہی کے سبب تھا۔ امام احمد رضا ملک العلماء کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے اور ملک العلماء کی علمی شخصیت اور ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

(الف) ''وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی امید تھی کہ

اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے، اپنے موافق اپنا تصدیقی خط ''دبدبۂ سکندری'' میں چھپ چکا ہے، مگر اس قدر کافی نہیں، رسائل و مسائل بھیجتا ہوں، ایک مختصر فتویٰ اگر چہ دو ہی سطر کا ہو، اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں، فوراً فوراً ارسال کیجئے''۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ملک العلماء کی فتویٰ نویسی کے قائل تھے اور ان کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ امام احمد رضا جیسے عظیم فقیہ و مفتی اور اپنے زمانہ کے امام اعظم ابوحنیفہ کا کسی کے فتویٰ کی تعریف کرنا، اس سے فتویٰ لکھنے کو کہنا بلاشبہ اس مفتی کی فقہی عظمت کا ثبوت ہے اور یہ شرف ملک العلماء کو حاصل ہے۔

اپنے سب سے پہلے فتویٰ کے متعلق ملک العلماء صاحب خود لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اسے دیکھ کر کتنے مسرور ہوئے اور انہیں انعام عطا فرمایا:

''سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں''۔

اس واقعہ سے میں اپنے تلمیذ، مرید اور خلیفہ سے امام احمد رضا کی محبت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ فخر و ناز کا بھی کیسا اظہار ہوتا ہے؟

(ب) ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کی نقل بھیجئے......

عبارت...... یہ عبارت یوں ہے یا کیا اس میں کیا فرق ہے، اس کا سابق ولاحق کیا ہے؟
''مبسوط'' چھپ گئی ہے مگر یہاں ابھی نہیں آئی، اب کہ بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟

یہ خط ابھی ڈاک کو نہ بھیجا کہ آپ کا نقشہ سحر وافطار آیا۔ فجزاکم خیرا کثیرا۔

(ج) ''یہ نقش جلیل ہیں، ان کے مختلف شرائط تھے اور بقدرت الٰہی اس جمعہ کو سب جمع ہو گئے اور ان سے اور زیادہ تھے...... ان میں دو نقشوں میں مکتوب کے نام کے اعداد بھی کئے جاتے ہیں، یہ وقت بہت قلیل تھا۔ صرف پندرہ نام اس کے لئے تجویز کئے، ان میں ایک آپ کا نام تھا، نقوش حاضر ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مبارک فرمائے''۔

امام احمد رضا کا ملک العلماء سے سرخسی کی عبارت طلب کرنا، عبارت کے بارے میں استفسار کرنا، ماہ مبارک کے نقشہ کے سلسلہ میں انہیں پر اعتماد کرنا، انہیں نقوش کے سلسلے میں ۱۵ آدمیوں میں ایک قابل قدر اور قابل اعتماد، نیز اس کا اہل سمجھنا وغیرہ ملک العلماء کے علمی وقار کو خوب اجاگر کرتے ہیں۔

مکتوبات نمبر ۱۰، ۱۱ (حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول، ص: ۲۵۳ تا ۲۶۱ و ص: ۲۶۲ تا ۲۶۴) میں امام احمد رضا کے قاعدے سے بھی آگاہ فرما رہے ہیں، مکتوب نمبر ۳۷، ص: ۲۹۰ تا ۲۹۸...... میں البرٹ ایف پورٹا سائنس دان ومنجم کی جھوٹی پیش گوئی ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کہ ستاروں کے اجتماع سے دنیا میں تباہی وبربادی آئے گی اور زلزلے برپا ہوں گے، وغیرہ، کے رد میں لکھے جانے والے مضمون کی نقل بھیج رہے ہیں، جناب رضا کا یہی مضمون بعد میں رسالہ ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' کے نام سے شائع ہوا۔ البرٹ ایف پورٹا کی پیش گوئی کا انگریزی سے اردو ترجمہ ملک العلماء ہی نے کرا کے امام احمد رضا کو پیش کیا تھا۔

امام احمد رضا ملک العلماء کے نام خط لکھتے ہیں:

''مسودہ کی پہلی نقل آپ کو مرسل ہے۔ ''دبدبہ سکندری'' وغیرہ جہاں بھیجئے۔ مگر جلدی چاہیے کہ ۷ ادسمبر قریب ہے''۔

مسودہ کی پہلی نقل ملک العلماء کو بھیجنے میں یہ بات بھی رہی ہوگی کہ اگر وہ چاہیں، تو خود بھی مضمون کے سلسلے میں مشورے دیے گئے ہیں، ساتھ ہی ساتھ مضمون کے مطالعہ سے اپنے علم میں اضافہ کریں، اس لئے کہ ملک العلماء خود بھی ریاضی، نجوم، اور ہیئت وغیرہ میں کافی مہارت رکھتے تھے اور رضا کو اس کا اعتراف بھی تھا۔

(د) مناظرہ کے سلسلے میں ملک العلماء پر امام احمد رضا بڑا بھروسہ رکھتے تھے اوران کے فتح وظفر کی امید رکھتے تھے بلکہ ہر محاذ پر باطل سے نبرد آزمائی کے سلسلے میں امام کو اپنے اس روحانی اور لائق وفائق خلیفہ سے فتح یابی کی پوری پوری امید رہتی تھی تبھی تو فرمایا ہے۔

میرے ''ظفر'' کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں!

مناظرہ ہی کے تعلق سے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروز آباد، راندر، بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو، فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی، راندر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ ہوگا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے، میں نے فاتحان بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اپنے اطراف

میں ان کا قیام مناسب ہو، لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں"۔(۳)

امام احمد رضا نوراللہ مرقدہ نے سیدنا مولانا محمد ظفرالدین علیہ الرحمہ کو جو ۴۳ خطوط لکھے ہیں، ان میں سے چند کے اقتباسات سے یہ بخوبی واضح ہے کہ...... امام احمد رضا ان سے ازحد محبت کرتے تھے، ایک لائق اولاد اور سعادت مند مرید کی طرح چاہتے تھے اور ایک ذی علم اور متقی خلیفہ کی حیثیت سے ان پر ہر طرح اعتماد کرتے تھے اور انہیں اپنا سچا نائب ومظہر تسلیم کرتے تھے۔

امام احمد رضا کا وہ خط جو انہوں نے حضرت خلیفہ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ، مدیر انجمن نعمانیہ لاہور کو ملک العلماء کی بابت تحریر فرمایا تھا، اس میں ان کی تمام تر صلاحیتوں اور خوبیوں کو امام نے خود ظاہر فرما دیا ہے اور ان کی اہمیت وعظمت واضح کر دی ہے، لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا محمد ظفرالدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد میں تحصیل علوم کی، اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں، (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں، امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔

فقیر بتوفیق اس کا احیاء کیا اور سات اصحاب بنا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر گھر جا بیٹھے انہوں بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں، فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے، اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے''۔
(حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مکتوب ۱)

اس مکتوب پر کوئی تبصرہ نہ کر کے صرف امام کے اس جملے ''فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے'' پر توجہ دلا کر نگاہ رضا میں ملک العلماء کی عظمت واہمیت دکھانا چاہتا ہے۔ اہل نظر خود محسوس کریں۔

امام احمد رضا دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہیے تھیں، وہ سبھی ملک العلماء میں موجود تھیں۔

خلفائے امام احمد رضا میں ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا نہیں ہے، انہوں نے مختلف نقلی اور عقلی علوم وفنون پر بالخصوص فقہ، حدیث، سیر، نحو، فلسفہ، منطق، توقیت، ہیئت اور نجوم وغیرہ پر ستر کتابیں لکھی ہیں۔

''الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری'' ان کی سب سے زیادہ مشہور اور علمی تالیف ہے، اس کے چار حصے تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

رضویات پر ان کی تین کتابیں بہت ہی مشہور ہیں اور اولیات ملک العلماء میں شمار ہوتی ہیں، وہ ہیں (۱) حیات اعلیٰ حضرت (۲) چودھویں صدی کے مجدد (۳)

''المجمل المعدد فی تالیفات المجدد'' جہان سنیت اور دنیائے علم وادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات وشخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے، آج گلشن رضویات کو توسیع اور تزئین اور آرائش میں جو باغبان وپاسبان مصروف عمل ہیں، انھیں عزم وحوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام انھیں ملک العلماء کا ہے، آج کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' ماہرین رضویات اور مسافران راہ رضویات کے لئے ماخذ اور منارۂ نور بنی ہوئی ہے۔

امام احمد رضا، مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفےٰ علی مہتابی

• (انوار رضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ ۱۹۷۶ء ص: ۶۷۷ تا ۶۸۱)

☆

حسد جونک ہے

حاسد کا بھیجہ چاٹتا رہتا ہے.......اور وہ کھوکھلا ہو جاتا ہے

گرگٹ کی طرح.......اور محسود کا کچھ نہیں بگڑتا

کبر، غرور، نخوت.......بلا خیز آندھی ہے

جو متکبر و مغرور کو بلندی سے کھائی میں دھکیل دیتی ہے

خود غرض.......مگرمچھ ہیں.......بچھو ہیں

کہیں جنگلی بلی.......معصوم، بغیر سینگ والی بکری کی طرح

اور کہیں خبیث گدھ.......بھوکے بھیڑیے بن جاتے ہیں

غیبت اور چغلی.......مردار کا گوشت ہے.......جس میں آگ

لگاتا ہے

یہ عادتیں ہرگز نہ اپناؤ

تمہیں لے ڈوبیں گی یہ

ہلاکت میں ڈال دیں گی یہ

مشہور ہو.......تو رسوا ہو جاؤ گے

جلیل ہو.......تو ذلیل ہو جاؤ گے

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۴۳)

امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفےٰ علی مہتابی

کسی بھی شخصیت کے اصلی خدوخال پڑھنے کے لئے اس کے خطوط ومکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ نجی مکتوبات میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ہر لفظ بے لاگ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔ مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب والقاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کمل کے پھول کی طرح ابھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے عش عش کرنے لگتے ہیں۔

دنیا کے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشہ کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جارہا ہے۔

مناظرہ:

ہم انہیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں آپ اپنے خط مرقومہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ بنام مولوی ظفر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا پندرہ پندرہ ہزار روپے جمع کردیئے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوط پر بارہ دن کا مکالمہ رہا، مگر نہ تھانوی

نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیا نہ جم سکے۔ اسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے خط پر فرار کیا"۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرہ سے دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرہ سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ الجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعود ان کا وطیرہ بھیمڑی کے مناظرہ میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ جس کی طرف امام احمد رضا نے اشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت:

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہے اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں۔ سب سے یہ زائد ہے۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔

۱) سنی خالص، مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ ۲) عام درسیات بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔ ۳) مفتی ہیں ۴) مصنف ہیں ۵) واعظ ہیں ۶ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں ۷ علماء زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بن پائے۔ جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے، انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے

لئے اور ہر جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔

یہ خط ۵ ر شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ "امام احمد رضا علم توقیت" سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے "علم توقیت" پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر ماتم کناں ہے اور اس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ "امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے:

"آج کی ہماری علمی درسگاہیں جنہیں ہم دار العلوم کہتے ہیں اس علم سے کس قدر بے خبر ہیں۔ علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقات طلوع و غروب و نصف النہار برائے زمانہ مستقل آج بتایا جا سکے۔ اس کے لئے علم ہیئت و ریاضی اور طول البلد و عروض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہابیہ کی فطرت:

ایک خط میں جو مولوی ظفر الدین صاحب کے نام ہے، لکھتے ہیں:

"لہٰذا یہ پردہ بیرنگ مرسل ہے۔ وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی تمنا تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آ پڑے۔

نوٹ کیجئے وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سنیوں کو الجھانے کے لئے "اصول دین" سے ہٹ کر کسی "فرعی مسئلہ" کو چھیڑ دیتے ہیں۔ یہ سنیوں کے لئے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ:

امام احمد رضا جنہیں طب میں بھی شغف تھا۔ مرد سفید داغ کے لئے ایک

مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں۔ صندل سفید ایک ماشہ، سم الفار سنکھیہ ایک ماشہ، ہر دو را خوب سحق کردہ قدرے بر داغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب از آں داغ برآمد۔ ہر دو وقت بمالند جوش خواہد کرد روغن بر آتش داشتہ ٹکیہ برگ نیم درآں اندازند وقتیکہ سوختہ شد۔ برادر در روغن بر جراحت رسانند و خواہد شد و بدن برنگ اصلی می رسد۔

ترجمہ: صندل سفید ایک ماشہ سم الفار سنکھیہ ایک ماشہ، دونوں کو خوب سحق کر کے اس سفید داغ پر خوب ملیں، یہاں تک کہ اس میں سے پانی نکلنے لگے۔ دو وقت ملے، تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیا بنا کر تیل میں اتنا پکائیں وہ جل جائیں بعد ازاں تیل کو صاف کر کے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائے جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آجائے گا۔

شب براءت کی فضیلت:

ایک خط میں شب براءت کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کرے، آپس میں نفاق نہ رکھے کہ نفاق مولی تعالی کو پسند نہیں ہے۔ سچے دل سے صلح و معافی ہونی چاہیے، مصالحت اخوان اور معافی حقوق یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔

اس لئے اس کے اجراء میں کوشش ہونی چاہیے، یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے، اپنے منصب مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خط کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شب براءت قریب ہے، اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولی عزوجل بطفیل حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے، مگر

چندان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔ لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔

ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ وہ ہو الغفور الرحیم۔ یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے، امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے "من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ و اجر من عمل بہا الی یوم القیامۃ لاینقص من اجورھم شیئا" کے مصداق ہوں۔

یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں۔ ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

علم کی پیاس:

ایک خط میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"۲۲ ذی قعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل ۴ مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کرلے

جاتے اور لے آتے، اسی بیماری میں المنک 1918، منگائی یاد نہ رہی۔"

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجہ اتم تھا، مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت متعصب نہیں تھے بلکہ کتاب خواہ انگریزی کی لکھی ہو یا کسی بے دین کی، ضرور مطالعہ فرماتے تھے اور اس سے فیض اٹھاتے تھے۔

المنک اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع وغروب وغیرہ ہوتے ہیں۔ جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں۔ یہ اسپینی عربی لفظ المناخ سے مشتق ہے۔ کچھ علما لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ "المنیخیا" سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہیے۔

فتاویٰ نویسی:

ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے پہلا فتویٰ ۱۳ سال کی عمر میں لکھا تھا، اور ۱۳۳۶ھ تک ان کی فتاویٰ نویسی کی عمر ۵۰ سال ہوئی تھی۔

"فقیر نے ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔

تنگ نظری کا بے بنیاد الزام:

دشمنان امام احمد رضا نے یہ بے پر کی بات اڑا رکھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کسی غیر

سنی کی مجلس میں بیٹھنے سے تعصب کی حدت پرہیز کیا کرتے تھے۔ غیر سنیوں سے کسی قسم کی ہم مجلسی اور گفت وشنید کو برا سمجھتے تھے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

''۱۳/تا ۱۵/رجب مطابق ۲۲ تا ۲۶/مارچ سے گاندھویوں وگاندھی وادیوں کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے احباب کی رائے ہے کہ اپنے علماء بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں، اگر یہ قرار پایا تو آپ کا آنا ضرور ہوگا۔ تیار رہیے اگر میں ۱۱یا ۱۲/رجب کو تار دوں تو باذنہٖ تعالیٰ فوراً تشریف لائیے۔

اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ایسے جلسوں میں شریک ہونے کو مفید سمجھتے تھے۔ جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے منعقد ہوتے تھے۔ چنانچہ امام موصوف اپنے نقطہ نظر اور سنی موقف کی وضاحت کے لئے اشد ضروری خیال فرماتے تھے کہ شرکت کی جائے۔

امام موصوف کو اس ''نباضی وقت'' اور ''مدبرانہ روش'' کو مجروح کرنے کے لئے ہمارے بعض علماء بھی غیر شعوری طور پر اسیران توہب کے پروپیگنڈے کے شکار ہوگئے، اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، ہماری سمجھ میں صرف یہ آتا ہے کہ چونکہ ان علماء کا مبلغ علم سطحی ہوتا ہے، اس لئے ان میں احساس کمتری کے ساتھ جارحانہ علیحدگی پسندی بھی پیدا ہوگئی۔ صرف درسی کتب کا مطالعہ کافی نہیں ہے، جیسا کہ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط مرقومہ ۱۵/ذی الحجہ یوم الاحد ۱۳۳۶ھ میں تحریر فرمایا ہے۔

''درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طاقت لسانی کوئی لیاقت جناں درکار نہیں''۔

اس لئے ہم علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ترک کریں اور غیر سنیوں کو بائیکاٹ کرنے کے بجائے، انھیں اپنے موقف سے آگاہ کریں۔ ہماری پالیسی میں بڑی تبدیلی

لانے کی ضرورت ہے، وہابیت اور دیوبندیت کی اپنی عدم موجودگی سے قیادت کے اعادہ کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہیے۔

بیمہ یا انشورنس:

بیمہ یا انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں، امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس گتھی کو بھی سلجھادیا۔ یہ اور انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

''جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں، تو جائز ہے، حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو، جیسے روزں یا حج کی ممانعت''۔

ظاہر ہے کہ وہ فعل جو خلاف شرع کا احتیاط کا پابند بناتا ہو مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، اس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں کہ ہندتو ہندمکہ میں مرنے کے لئے بھی راضی نہیں ہیں، بلکہ ان کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنی جان دیں۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے۔

''وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہندتو ہندمکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

مشورہ احباب:

امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے، چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں:

''آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا، تام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا، اس کے مقصد اول وخاتمہ کو ضرور دکھالینا چاہیے اور تذہیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورہ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے''۔

اردوئے معلّٰی:

اب آخر میں امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر ناظرین کو مرزا غالبؔ کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ امام نے اردوئے معلّٰی تحریر فرمایا ہے:

''کاغذ کے نمونے آگئے۔ واقعی بہت گراں ہیں، حاجی عیسٰی گئے مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔ کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے، حاجی صاحب کو اللہ تعالٰی برکات دے، تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں، سنیوں کی عام حالت یہی ہورہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے، ورنہ کلکتہ میں حمایت کے لئے دو ہزار روپئے ماہوار بھی کوئی چیز تھے۔ ادھر یہ مدرسہ شمس الہدٰی جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپئے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے، مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہوجائے۔ العیاذ باللہ تعالٰی۔ افسوس کہ ادھر نہ تو مدرس نہ واعظ نہ ہمت
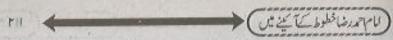
والے مالدار، ایک ظفرالدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔
وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا۔ اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا، اس کا معاوضہ نہیں، تو بیشک نہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے۔ تو حاشا نہ یہ میرا مقصود تھا، نہ اب منظور، لہٰذا بات صاف ہونا ضرور۔

(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت مولفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ)
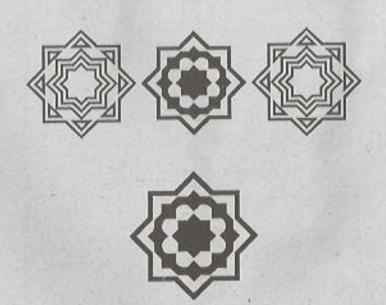
امام احمد رضا کی انشاء پردازی مکتوبات کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام غوث قادری
پی ایچ ڈی رانچی یونیورسٹی، رانچی

(سہ ماہی "افکار رضا" بمبئی جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء)
ص: ۴۳ تا ۵۰

☆

کھیتوں میں لہلہاتی فصلیں تو غیر ضروری جھاڑ جھنکار بھی ہیں
کیڑے مکوڑے بھی...... ان کی قدر کی جاتی ہے...... یہ ہیں بے توقیر
مگر ہیں دونوں کھیت ہی کا حصہ
زمین و آسمان...... سمندر اور پہاڑ...... اگر کائنات کا جز ہیں
تو دانہ بھی...... حباب بھی...... دل کی دھڑکنیں بھی
ولی اور عالم...... جاہل اور گنوار...... دونوں اسی سماج کے افراد ہیں
جو بھی مخلوق ہے...... کائنات کا حصہ ہے...... اس کا انکار کیسے کرو گے؟
انبیاء!...... جاہلوں میں اترے...... علم لے کر...... حلم لے کر......
دعوت کے لیے نکلے...... اصلاح کے لیے چل پڑے
تو جاہلوں نے روڑے اٹکائے...... راستے روکے...... کانٹے بچھائے
جہاں علم کام نہیں آیا، وہاں حلم سے کام چلایا
نبی کے نائبو!...... رسول کے وارثو!!
تم عالم ہو، تم داعی ہو
تمہارے ذمہ کار نبوت ہے
انبیائی طریق کار اپناؤ
حلم سے کام لو
ضبط سے کام لو
جاہل کا جہل...... خود بخود شرمسار ہو جائے گا
(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص: ۵۰، ۵۱)

حضرت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ کی انشاء پردازی مکتوبات کے آئینے میں

مولانا غلام غوث قادری فاضل ایم۔اے

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، عشق رسالت کے گنج گراں مایہ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات قدسی صفات محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے اپنی دینی وعلمی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی وفکری انقلاب پیدا کیا، اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں آپ کی خدمات بے شمار ہیں۔ جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمایا دیا۔ علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی، ہندسہ تصوف سلوک، لغت، ادب وغیرہ کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ فن شعروسخن میں قدرت نے حضرت امام موصوف کو ید طولیٰ بخشا تھا۔ شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حد فاصل قائم کی۔ آپ نے ایک اندازے کے مطابق کم وبیش سو ۱۰۰ سے زائد علوم و فنون میں ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔ آپ کے سینے میں قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت ودیعت کی گئی تھی۔ آپ کے ذریعہ قرآن پاک کا کیا گیا ترجمہ موسوم بہ ''کنز الایمان'' صرف ترجمہ نہیں بلکہ اردو زبان میں قرآن پاک کی صحیح ترجمانی ہے۔ جس میں روح قرآنی کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ لفظ اور محاورہ

کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ علم حدیث اور اصول حدیث کے علاوہ علم فقہ میں جو تبحر وکمال آپ کو حاصل تھا۔ اس کا اعتراف آپ کے ہم عصر مخالفین نے بھی کیا۔ فقہ میں آپ کی تصنیف ''فتاویٰ رضویہ'' اپنا جواب آپ ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں جو نظم وضبط اور جامعیت ہے۔ اس سے آپ کے علم کی گہرائی و گیرائی کا پتہ ملتا ہے۔ نیز طرز تحریر کا انفرادی وادبی رنگ مطالعے پر مجبور کرتا ہے۔ اسکے علاوہ امام موصوف ک مکتوبات بھی بے شمار حقائق ومعارف اور مسائل دینیہ سے بھر پور ہیں۔ اسلوب نگارش کی انفرادیت اور ظاہری ومعنوی خوبیوں کا رنگ یہاں بھی ہر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔ امام موصوف کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملفوظات کا بھی ہے۔ جو ان کے ارشادات وکلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ جس میں حکایات بھی ہیں۔ اور روایات بھی، ضیاء قرآن بھی ہے اور بہار حدیث بھی، معرفت کی جھلک بھی ہے اور حقیقت کی خاموش بیانی بھی۔ ان کی ادبی حیثیت بھی مسلم ہے۔ ان کے مطالعہ سے جہاں ایک طرف نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف اسلوب نگارش اتنا پر کشش، خوبصورت اور ادبی محاسن سے آراستہ ہے کہ اسے اردو انشاء پردازی کے بیش بہا خزانے میں ایک اہم اضافہ کہا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ قوت استدلال، بلندی فکر اور مواد کے اعتبار سے بھی آپ کا قلم اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ شمع بزم ادب ہیں۔ اسی لئے توان خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر داغ نے کہا ہے: کہ۔

ع ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم۔

یوں تو امام احمد رضا کی تاریخ ساز شخصیت اور کارناموں پر متعدد مقالے اور بیشتر مضامین لکھے جاچکے ہیں۔ نیز اب بھی جاری ہے۔ مگر ان کی انشاء پردازی کے جو ادبی وفنی نکات ہی۔ جن سے امام موصوف کی اسلوب نگارش کی انفرادیت اجاگر ہوتی ہے

، کا تفصیلی احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اگر اس جہت سے ان کی نثر نگاری کا مطالعہ کیا جائے، تو اردو انشاء پردازوں میں دیگر فنکاروں سے کہیں بڑھ کر امام موصوف کا نام سنہرے حروف میں ملے گا۔ چنانچہ ہند و پاک کے بیشتر علماء و ادباء اور ماہرین رضویات سے مشورہ کے بعد فدوی (رقم الحروف) نے اپنے تحقیقی (پی۔ ایچ۔ ڈی) مقالے کا موضوع حضرت ''امام احمد رضا قدس سرہ کی انشاء پردازی۔ ایک تفصیلی مطالعہ'' منتخب کیا ہے۔ جس کی منظوری رانچی یونیورسٹی جھارکھنڈ ہند کے شعبہ اردو سے مل چکی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب متذکرہ بالا تحقیقی مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئے گا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بہت پہلے ہی اس موضوع پر تصنیفات کثیر منظر عام پر آتیں تاکہ ماضی سے حال تک کے عظیم خسارے سے دوچار ہونے سے ہماری جماعت بچ جاتی۔ کیونکہ خواہ تاریخ جنگ آزادی ہند ہو کہ تدوین عصری نصاب تعلیم، موقع پرست عناصر نے ہمارے اسلاف کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے اور ہم ہیں کہ گہری نیند میں بستر استراحت سے چپکے رہے اور کبھی نیم بیدار بھی ہوئے، تو غنودگی طاری رہی۔ اور صرف اس حرف شکایت کو زبان پر لائے کہ تاریخ جنگ آزادی ہند اور عصری نصاب تعلیم میں دور تک ہمارے اسلاف کا کہیں پتہ نہیں چلتا بعدہ چین کی نیند سو گئے۔ یہ ایک المیہ ہے، جو نا قابل فراموش حقیقت ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تاریخ آزادی ہند، عصری نصاب تعلیم میں اپنے اسلاف کی شمولیت نہ ہونے کے اسباب و علل پر غور کرتے ہوئے، اس کا حل تلاش کرتے ہوئے شمولیت کی کوشش کی جاتی۔ میری ناقص سمجھ سے اس کی یہی وجہ منکشف ہوتی ہے۔ کہ ہمارے یہاں موقع شناسی کا فقدان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف تو ہمہ جہت شخصیت اور خدمات کے جامع ہیں۔ مگر ہمارے یہاں اس کا فقدان ہے۔ ہمیں چاہئے یہ تھا کہ جس طرح دیگر مکتبہ فکر کے فنکاروں نے اپنے اسلاف کے

متعلق کتب ورسائل کے توسل سے اردو ادب کی خدمات کو مبالغے کے ساتھ ثابت کیا۔
ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے اسلاف کی خدمات اردو میں شمولیت تحریک آزادی ہند کو باضابطہ تاریخی صورت می قلم بند کرتے ۔ یہ تشنۂ توجہ موضوعات ہی۔ یہ کام نہیں ہونے کی وجہ سے ہمارا پیغام حق ایک بہت بڑے طبقے تک پہنچنے سے مانع ہے۔ یعنی حصول تعلیم کے بیشتر شعبے ہیں۔ مدارس، اس کولس، کالیجز، یونیورسٹیاں، جہاں تک مسئلہ مدارس کا ہے تو یہ کئی خانوں میں منقسم مختلف مکتبہ فکر کے ہیں۔ جہاں مکتبہ اہلسنت وجماعت کے مدارس ہی میں تو ہم اپنے طلباء کو اپنے اسلاف کی خدمات واحسانات سے واقفیت کراتے ہیں۔ وہیں دیگر مکاتب فکر کے مدارس ہمارے کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر مدارس کے طلباء ہمارے اسلاف کے خلاف ذہن لے کر فارغ ہوتے ہیں۔ یونہی بعض یونیورسٹیاں کسی خاص ازم کی علمبردار ہوا کرتی ہیں اور اس کے بیشتر طلباء اسی مخصوص ازم کے پیرو ہوتے ہیں۔ مگر عام طور سے جو تعلیمی ادارے کسی خاص ازاور مکتبہ فکر سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہاں بھی ہمارے اسلاف کے اسماء کوسوں دور دیکھنے کے بعد نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جن متعصبین حضرات کو تدوین عصری نصاب تعلیم، فراہمی امداد برائے تعلیم کی ذمہ داری ملی، وہ کسی خاص ازم اور گروپ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ جنہوں نے ہماری غفلت کا ناروا فائدہ اٹھا کر صرف اپنے گروپ کے مصنفین و دانشوران کو نصاب میں خوب سے خوب جگہ دی اور ہمارے اسلاف کو طاق نسیاں میں ڈال دیا۔ ادھر ہماری روش یہ ہے کہ دوسروں کی پکائی روٹی سے دسترخوان سجانے کا انتظار رہا۔ اس سے ہمارا خاصہ نقصان یہ ہوا کہ جن طلباء کی وابستگی ان عصری تعلیمی اداروں سے رہی وہ محض یکطرفہ شخصیات کا مطالعہ کرسکے اور انہیں ہی سے متاثر نظر آئے۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

صرف نظر ہماری ان کوتاہوں کے جب ہماری نگاہ اپنے اسلاف کے کارناموں پر جاتی ہے تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف کی خدمات ہر میدان میں دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مثلاً جب امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کا مطالعہ اردو انشاء پردازی کی حیثیت سے کرتے ہی، تو ایک بیش بہا خزانہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں ان کی ہمہ جہت انشائیہ کا احاطہ تو ممکن نہیں لہٰذا ان کے اردو مکتوبات میں انشائیہ کے جودر بے بہار موجود ہیں۔ چند اقتباسات کے حوالے سے پیش خدمات ہیں۔

اردو میں مکاتب کی کمی نہیں بہت بڑے نیز چھوٹے آدمیوں کے ذاتی خطوط کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارا موضوع تحریر یہ سارے خطوط نہیں ہو سکتے۔ وہ اس لئے کہ خط بحیثیت خط ادب کی کوئی صنف نہی جس طرح ہر لطیفہ افسانہ نہیں ہو سکتا، ہر خط مکتوب نہیں بن سکتا۔ خط نویسی اور خطوط نگاری دو مختلف چیزیں ہیں۔ ادبی اعتبار سے کاروباری یا اختیاری مراسلے خطوط کے ذیل میں نہیں آتے۔ ادبی خطوط صرف وہ ہیں، جن کا مقصد یا کم از کم اثر ادب ہو۔ یعنی ادبی خط شغل کی چیز نہیں بلکہ ذوق کی متاع ہے۔ یہاں ایک بڑے مغالطے کی تردید ضروری معلوم ہوتی ہے۔ عام طور سے ادبی سطح پر بھی کہا جاتا ہے کہ ط اور ادب کی دوسری صنفوں کے درمیان فرق تکلف اور بے تکلفی کا ہے۔ دوسری صنفوں میں لکھنے والا ہیت کے قواعد میں کسار ہتا ہے۔ جب کہ خط لکھنے والے پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی غلط مفروضے سے یہ غلط نتیجہ بھی نکال لیا گیا ہے۔ کہ اصل خط وہ ہے جو غرض اشاعت نہیں لکھا گیا ہو۔ اس لئے کہ خط خلوت کی چیز ہے۔ نہاں خانے کی تصویر ہے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں خط کی مستقل ادبی حیثیت ختم ہو جاتی

ہے اور خطوط نگاری فن کے بجائے محض ایک حرکت بن کر رہ جاتی ہے۔ جب کہ مجھنے والوں نے خط کو ایک باضابطہ صنف ادب سمجھا ہے۔ خطوط کاروباری نوعیت کے بھی ہوتے ہیں اور بالکل ذاتی نوعیت کے بھی مگر اس قسم کے خطوط اشاعت کے مستحق نہیں اور ادبیت کا تو سزاوار بھی نہیں۔

بہر حال خطوط نگاری ایک موضوعی صنف ادب ہے۔ یہ دوسری تمام صنفوں سے زیادہ شخصی ہے اور مکتوب نگار کی شخصیت اپنے تمام اندازں اور پیچ وخم کو افشاء کر دیتی ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ شخصیت اپنے لباس وجود کا ہر تار نوچ پھینکتی ہے، کوئی بھی شخصیت ایسا نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ شخصیت ایک بڑی گہری اور تہہ دار چیز ہوتی ہے۔ پھر شخصیت کی اپنی خود نگہ داری اور وقار ہوتا ہے۔ یہ حقائق صاحب شخصیت کو اس کی فطری حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ فی الواقع مکتوب سے ہوتا یہ ہے کہ جس شخصیت کو ہم نے اسٹیج پر دیکھا ہے۔ اس سے گھر پر مل لیتے ہیں، جس سے تقریر سنی ہے اس سے گفتگو کر لیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ عربی، فارسی کی انشاء پردازی پر مہارت رکھتے ہیں انہیں اردو و انشاء پردازی میں سہل اور آسان، عام فہم راستہ اختیار کرنا دشوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو الکلام آزاد کے اسلوب پر ابھی تک جو بحث ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

''کہ انہوں نے اردو میں ایک ایسے اسلوب کو مکمل کیا جو فارسی اور عربی علامتوں سے گرانبار تھا اور اسی سے گرا بہا اور یہ گرانی کوئی خاصے کی چیز ہے اور عظیم چیز ہے۔ مگر اردو زبان کیلئے یہ کوئی اچھی چیز نہیں اور مفید بات نہیں ہے۔ اس سے اردو زبان کی اس سہل روایت کو جھٹکا لگا، جو سر سید اور حالی سے چلی تھی۔''

اردو کے بڑے نقادوں کا گرچہ میرے خیال میں یہ نقطہ نظر حکیمانہ نہیں ہاں البتہ

ادبی ارتقاء سے صرف نظر کر کے تھوڑی دیر کیلئے یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے۔ کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اردو کو اتنا آسان کر دیا جائے کہ ہندوستان کا ہر طبقہ اس کو آسانی سے بول اور سمجھ سکے، جس کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

امام احمد رضا کا اسلوب نگارش ہمہ گیر دکھائی دیتا ہے۔ مکتوب الیھم کی لیاقت اور شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مکتوب نگاری عمل میں لاتے ہیں۔ یعنی سہل نگاری کو بھی برتا ہے اور اردوئے معلی سے بھی کام لیا ہے۔ وہ اپنے اسلوب نگارش میں کسی خاص فرد یا طبقے یا ازم سے متاثر نظر نہیں آتے بلکہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔ موصوف نے ادب کو تفنن طبع کے طور پر نہیں برتا بلکہ مواد اور پیغام کیلئے وسیلہ اظہار سمجھا ہے۔ ان کی نگارشات میں ٹھوس مود اور حسین اسلوب نگارش کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کا لفاف و ملفوف یکساں نظر آتے ہیں۔ جو کہ امام موصوف کا امتیاز خاص ہے۔ گرچہ ان کے بیشتر مکتوبات تلاش بسیار کے باوجود تادم تحریر حاصل نہیں ہو سکے۔ (کوشش جاری ہے) پھر بھی چند مکتوبات جو کہ آسان بھی ہیں۔ اور دقیق بھی کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اقتباس اول:

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان ومال کی حفاظت فرمائے۔

بعد عشاء ۱۱۱، بار "طفیل حضرت دستگیر دشمن ہوئے زیر" پڑھ لیا کیجئے۔ اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ آپ کے والد ماجد کو مولیٰ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ ان سے فقیر کا سلام کہئے۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح وشام سوتے وقت، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔ دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک شام ہے اور آدھی رات

ڈھلے سے سورج چمکنے تک صبح۔ اس بیچ میں ایک ایک بار علاوہ نمازوں کے ہو جایا کرے اور ایک بار سوتے وقت آپ کے والد ماجد کو سلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ، بھوالی شب ۵ ذی الحجہ ۳۹ھ"

اقتباس دوم:

"بھائی سلیمان صاحب نے مجھ سے تعویذ مانگا تھا۔ میں آج کل لکھ نہیں سکتا۔ لہذا سب سے بہتر ان کی خاطر میری سمجھ میں آئی کہ خاص اپنے لئے جو عظیم تعویذ ۸۴۷ خانے کا تیار کیا تھا۔ ان کی نذر کروں، زندگی اگر باقی ہے تو اپنے لئے اور تیار کر لیا جائے گا۔"

اقتباس سوم:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کیلئے لوگ کرسی پر اٹھا کر لئے جاتے اور آتے۔"

ان اقتباسات سے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے محرک اور موضوع کے متعلق کئی ایک اشارے ملتے ہیں۔ سب سے قیمتی نقطہ تو صنف مکتوب نگاری ہی کے متعلق ہے۔ کہ اقتباس اول میں ذرا دیکھیں کہ وہ امام جو عرب میں جا کر اپنی عربی دانی کا سکہ ثبت فرمایا ہے۔ مگر جب وہ اپنے برادر دینی یقینی کے پاس خط لکھ رہا ہے تو دعائیہ کلمات تک عام فہم اور سہل اردو میں رقمطراز ہے ساتھ ہی حسب مراتب ترتیب لفظ کا حسین انتظام ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اقتباس اول:

"مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان و مال کی حفاظت فرمائے۔"

اول ایمان کا ذکر کیا جو دنیا کی تمام تر قیمتی چیزوں سے عزیز ہے۔ دوم آبرو جسے جان دے کر بھی بچے تو بچائے رکھنا۔ کے مصداق ہے بعد میں جان و مال کا بیان ہے۔ جان پہلے ہے اور مال بعد میں جس جگہ لٹیرے جان اور مال دونوں میں سے کسی ایک کا تقاضہ کریں۔ تو ہر عقلمند انسان مال دے کر بھی جان کی حفاظت چاہتا ہے۔

اقتباس دوم: اس میں بھی آسان اردو موجود ہے ساتھ ہی یہ خط ان کے کردار کا آئینہ دار ہے۔ جس امام موصوف کیبارے میں مخالفین یہ افتراء باندھتے ہیں۔ کہ وہ مغرور انسان ہیں۔ مگر کیسی عاجزی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ان کی نذر کروں زندگی اگر باقی ہے تو اپنے لئے تیار کرلیا جائے گا۔'' مکتوب کا تیور بتاتا ہے کہ تعویذ کا سائل بہر حال امام موصوف سے مراتب میں کم ہے، مگر'' نذر کروں'' مخالفین امام موصوف کی افتراء پردازی کو خاکستر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اقتباس سوم: سہل نگاری موجود ہے۔ ساتھ ہی ان کی داخلی زندگی کا آئینہ دار۔ سو سے زائد علوم وفنون کا امین، ہزار سے زائد تصنیفات کا مصنف، ہجوم وابستگان کی فیض رسانی، شاگردوں کی رہنمائی، تربیت تصوف کی مشغولیت اور آخر عمر میں ضعیفی کا بار عظیم کو پیش نظر رکھیں۔ پھر ملاحظہ ہو۔

''سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔''

یہاں کس قدر نماز باجماعت کا پاس، جماعت ترک کا قلق اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔

بعض مکتوبات کیا قتباسات دقیق عربی، فارسی سے پر ملاحظہ ہو۔

اقتباس اول:

بگرامی ملاحظہ، مولانا مولوی حافظ عبد السلام صاحب دامت فضائلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحت مزاج والد سے مطلع فرمائیں۔ فقیر بے توقیر سوائے دعاء کے کیا کرسکتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے وجود مسعود کو اسلام وسنت کے حق میں محمود باوجود رکھے۔

اقتباس دوم:

شرف ملاحظہ حضرت بابرکت جامع الفضائل لامع الفواضل شریعت آگاہ طریقت دستگاہ حضرت مولانا المکرم الحاض مولوی محمد انوار اللہ خاں صاحب بہادر بالقابہ العز۔

سلام مسنون، نیاز مشحوں، ہدیہ مجلس ہمایوں! ننگ بارگاہ بیکس پناہ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی غرض کیلئے مکلف اوقات گرامی، پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے رسالہ ''القول الاظہر'' مطبوعہ حیدرآباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا۔ جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے، یہ نسبت اگر صحیح نہیں تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں۔ ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ہوگا۔ کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں انکشاف حق کیلئے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں۔ بفضلہٖ عزوجل ذت والا میں سب آشکارا ہے۔

اقتباس سوم:

مولانا المکرم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حالات حاضرہ مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے۔ آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں۔

علماء اہلسنت و جماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہوں گے، تو خوانخواستہ وہ دن دور نہیں کہ سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ چارہ نہ پائیں گے۔ انہیں ضرورتوں کو محسوس کر کے علماء اہلسنت و جماعت کا مہتم بالشان جلسہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ شعبان المعظم روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ کو ہونا قرار پایا ہے۔ جناب کی اعانت دینی و توجہ مذہبی سے امید واثق رکھتا ہوں کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے۔ الی آخرہ۔"

یہ مکتوبات دراصل مرقع ہیں۔ ایک ایسے شخص کے ذہن و مزاج کا جس پر مبداء فیاض نے ہزاروں بے شمار راہیں کھول دی تھیں۔ ان مرقعوں میں ارتقائے شخصیت کی گم شدہ کڑیاں بھی ہیں۔ اور موجودہ عناصر کے تجزیے یا توجیہیں بھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹکڑے خط کے نہیں ہیں انشائیوں کے ہیں۔ اور یہ بات غلط نہ ہوگی کہ امام موصوف کے بہترین مکتوبات اردو ادب کے بہترین انشائیے ہیں۔ ان میں ہیئت مکتوب کی ہے مگر اسلوب یہاں تک کیوں، موضوع، اثر پذیر انشائیوں کا ہے۔ رضویت کی رعنائیاں ایک جمیل اسلوب میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جس طرح خطوط کے مواد امام موصوف کی دوسری تصنیفات سے مختلف ہیں اسی طرح ان ہیئت بھی ممتاز ہے اور زیادہ تر مکتوبات کی مخصوص فضا اور تکنیک کے باعث مکتوبات اسلوب زیادہ لچک دار، رواں اور محکم ہے۔ ان میں بیساختگی ہے لیکن بے تکی نہیں۔ ان میں محض مکتوب نگاری کی وضاحت نہیں۔ اس سے زیادہ فن کی بلاغت ہے۔ ان می بلاغت کے تمام تیور پائے جاتے ہیں اور صنائع بدائع کے نقوش کی بھی کمی نہیں۔ انشاء پردازی کی ان تمام خوبیوں سے ان کے مکتوبات مزین ہیں۔ جن کا اردو ادب متقاضی ہے۔

☆

وقت ایک تیز سرکش گھوڑا ہے
اور وقت کی پابندی، اس کا مضبوط کھونٹا
پابندی کے اس کھونٹا کو...... نہ ہلنے دو
نہ کمزور پڑنے دو
ایسا کروگے تو تمہاری خودبخود کامیاب اور وضع داربنتی چلی جائے گی
اور دیکھو!
خدا نے تمہیں سوار بنایا ہے
اور وقت تمہاری سواری ہے
سواری کا استعمال کیسے کرتے ہو
تمہیں اختیار ہے
یادرکھو!
اس اختیار کا...... تم سے امتحان لیا جائے گا
(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص: ۱۷)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری
فکر و فن کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام غوث قادری
پی ایچ ڈی رانچی یونیورسٹی، رانچی

(ماہنامہ "معارف رضا" کراچی جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء)

ص: ۱۳۹ تا ۱۵۵

☆

مسلمان قوم ایک چشمہ ہے...... اور سب قومیں پیاسی، تشنہ لب

کوئی زمانہ تھا...... یہ چشمہ اچھلتا بہت تھا...... آبشار سے زیادہ

زمانے سیراب ہوئے...... قومیں آسودہ ہوئیں

تاریخ شاہد ہے

مگر آج یہ چشمہ کیا گدلا ہو گیا؟

کیا خشک ہو گیا؟...... نہیں نہیں

کنتم خیر امة اخرجت للناس......

......تم تو سب سے بہتر ہو

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین......

ہاں، ایمان پر قائم رہے تو تم ہی سب سے برتر ہو۔

اے قوم مسلم!

تو پھر انحطاط اور پستی کی وجہ کیا ہے؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۱۸،۱۷)

امام احمد رضا قدس سرہ کی مکتوب نگاری فکروفن کے آئینے میں

مولانا غلام غوث قادری

ادب میں مکتوب نگاری ایک ایسا فن ہے جس کے توسط سے انسان کی چھپی ہوئی شخصیت اور اس کے ذہن کو پڑھا جاسکتا ہے۔ خصوصا مشاہیر کے خطوط ایسی مکمل اور منظم دستاویز ہوتی ہے۔ جن کو پڑھ کر صاحب تحریر کا مذاق، مزاج، رجحان، ذاتی شوخی، سنجیدگی، متانت، ظرافت، ثقافت، خوش مزاجی، شگفتہ طبعی، برہمی، غضبناکی کے علاوہ دوسرے احساسات وجذبات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے کسی فرد کو دیکھے بغیر خط کی تحریر سے اس کی عادتوں، خصلتوں اور میلان طبع سے واقف ہوا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خط لکھنے والا بے تکلف ہوتا ہے۔ اس وقت اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کی یہ تحریر معرض تشہیر میں آنے والی ہے بلکہ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ تحریریں جو اپنے کسی عزیز یا دوست کو لکھی جارہی ہیں۔ وہ ان کے محافظ اور امین ہوں گے۔ لہذا خطوط میں تمام جذباتی مدوجزر پورے طور پر آشکار ہو جاتے ہیں۔ بقول، پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

''خطوط کا معاملہ عشق ومحبت کا ہے۔ جس طور پر محبت ہو جاتی ہے، کی نہیں جاتی، اسی طور پر خط بھی لکھ جاتا ہے، لکھا نہیں جاتا۔ محبت کے دیوتا کی طرح خط کا دیوتا بھی اندھا رہتا ہے۔''

فاضل نقاد کی رائے میں خط لکھنے کا کوئی قاعدہ یا طریقہ نہیں ہوتا۔ جس طرح چاہے اس کی ابتداء کی جائے اور جہاں چاہیں اختتام۔ شرط یہ ہے کہ لکھنا آئے۔ خط اگر مختصر لکھنا چاہیں، تو ایک لفظ میں بھی ہو سکتا ہے اور اگر پھیلانے پر آمادہ ہوں، تو دفتر کے دفتر سیاہ کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اچھے خط کی پہچان یہ ہے کہ نہ زیادہ مختصر ہو اور نہ ہی اتنی وسعت دی جائے کہ صفحات کے صفحات استعمال کئے جا رہے ہوں۔ بلکہ میانہ روی اس کا حسن ہے۔ موضوع کا معاملہ ایسا ہے کہ یہ کسی مخصوص دائرے میں محدود نہیں۔ لیکن گفتگو کی طرح اس میں بھی غیر ضروری باتیں نہیں ہوتیں اور نہ زیادہ پھیلاؤ کی گنجائش ہے۔

اردو کے صاحب طرز انشاء پرداز اور بلند پایا نقاد پروفیسر خورشید الاسلام نے خط لکھنے کو ایک ایسے فن سے تعبیر کیا ہے۔ جس کیلئے صرف قلم اور کاغذ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خط لکھنے کیلئے نہ کوئی ضابطہ ہے اور نہ کوئی اصول نہ اس کا کوئی خاص مزاج ہے اور نہ ہی موضوع، کہتے ہیں:

''ذہن میں کوئی خیال ہو یا نہ ہو، خط لکھا جا سکتا ہے۔ جس طرح بات چیت کیلئے کسی موضوع کا نہ ہونا، اس کے ہونے سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ اسی طرح خط میں نہ اصول کی ضرورت ہے نہ خیال کی اور نہ موضوع کی۔ زندگی اپنی راہیں خود بنا لیتی ہے۔ خط اپنی باتیں خود پیدا کر لیتا ہے۔ زندگی کا نہ آغاز نہ انجام، بس ایک بہاؤ ہے۔ ایک روانی ہے، ایک اپج ہے، خط میں نہ ابتدا نہ انتہا، نہ وسط، نہ تکمیل، نہ تشبیب، نہ دعائیہ بس گریز ہی گریز ہے۔'' (۴)

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خط لکھنے کیلئے کسی غور و فکر، تلاش و تجسس بنیادی چیز نہیں اور نہ ہی اس کیلئے سوچ بچار کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ مکتوب الیہم کی شخصیت اور حیثیت اور جواب طلب امور کی نوعیت کے مطابق اسی

انداز و طریق سے خطوط لکھے جائیں۔ جس ترکیب و بندش سے بالمشافہ گفتگو ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک خط کی زبان کا سوال ہے۔ جس طرح کی زبان چاہیں، استعمال کی جاسکتی ہے۔ مشکل سخت مقفیٰ مسجع، عالمانہ یا سادہ، رواں دواں، لیکن گفتگو کی زبان مقدم رکھنی چاہیے۔ کتاب یا مقالے کی زبان سے خط میں بے لطفی اور بے کیفی پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی خط کے لئے عام فہم، سہل، سادہ زبان کے استعمال کی حمایت کی ہے، کہتے ہیں:

"ادب میں سینکڑوں دلکشیاں ہیں۔ اس کی بے شمار راہیں اور انگنت گھاتیں ہیں۔ لیکن خطوں میں جو جادو ہے (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اسکی کسی ادا میں نہیں۔ نظم ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا کوئی اور مضمون ہو۔ غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں جلد پرانی اور بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ صرف سادگی ہی ایک ایسا حسن ہے، جسے کسی حال اور کسی زمانہ میں زوال نہیں۔ بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے، جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔" (۳)

مکاتب کے معیار کا انحصار مکتوب نگار کی اپنی علمی لیاقت پر بھی منحصر کرتا ہے۔ خط کا مزاج مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بے تکلف دوستوں کے خطوط میں اپنائیت کی فضا اور سچائی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ان پر کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا۔ بہت سے خطوط ادب کے قلم رو میں داخل ہو کر ادب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ لطافت بھی، نزاکت بھی اور جیتی جاگتی زندگی کی جھلک بھی۔ ان میں سادگی بھی ہوتی ہے اور پرکاری بھی۔ وہ انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔

خط لکھنے کی ابتداء سب سے پہلے کس خوش نصیب شخص نے کی اور وہ کون خوش قسمت انسان تھا۔ جس کو پہلا خط ملا، یہ معاملہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے۔ البتہ یہ کہا جاتا رہا ہے کہ خطوط نویسی کا آغاز اس زمانے سے ہو گیا ہو گا جب انسان نے رسم الخط کا ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا۔ اب تک تحقیق کے مطابق باقاعدہ فن کی شکل میں مکتوب نگاری کی ابتداء سلطنت روم کے سائے میں ہوئی۔ اس سلسلے میں سسر و اور سینکا بزرگ (Seneca The Elder) کے مکتوبات قابل ذکر ہیں۔ جن میں روم کی زندگی کی جھلکیاں اور اس کی معاشرت کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ رومیوں کے مکاتب کی زبان میں خطابت اور روزمرہ کی بول چال بین بین ہے۔ انگریزی زبان میں پندرھویں صدی میں مکتوب نگاری کا آغاز ہوا۔ انگریزی زبان کی مکاتب نگاری کی خصوصیات بے تکلفی، سادگی، شگفتہ بیانی اور بزلہ سنجی ہے۔ یہاں بلاغت کی چاشنی کم اور زندگی کی چاشنی کافی دیکھنے کو ملتی ہے۔ انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن (Dr. Samuel Johnson) لارڈ چیسٹر فیلڈ (Lord chester Field) ولیم کوپر (William Copper) چارلیس لیمب، کیٹس، شیلے، بائرن، براؤننگ اور جارج برناڈ شاہ وغیرہ کے مکتوب قابل ذکر اور ادب کے شہ پارے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لاطینی زبان میں منظوم خط لکھنے کی روایت ہوریس (Horace) نے قائم کی۔ فرانسیسی، ادب کے ادبی شہ پاروں میں پنولین، والیر، وکٹر، ہیوگو اور گائی دی موپاساں کے خطوط کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسلام کی آمد سے قبل عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو کاتب کہا جاتا تھا۔ اسلام کے ظہور ہونے پر اس فن نے کافی ترقی کی اور اس کی نگہداشت اور یادداشت کو کثرت اور وسعت عطا ہوئی۔ مسلمانوں نے پہلے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو محفوظ رکھا۔ کم از کم چار خطوط اب تک اپنی ا

صلی حالت میں محفوظ ہیں۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں خط لکھنے کیلئے کاتب مقرر کئے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر نے پہلی بار ''دارالانشاء'' قائم کیا اور ان کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت کے علاوہ عبداللہ بن ابی بن خلف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاتب مقرر کیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ذمہ داری مروان بن حکم کو سونپی تھی۔ جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عہد میں حضرت عبداللہ بن ابی رافع اور حضرت سعید بن نجران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کاتب مقرر کیا گیا۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں اس فن کو کافی عروج حاصل ہوا، دوسری صدی میں امام مالک علیہ الرحمہ کا خط خلیفہ ہارون رشید کے نام اور امام ابولیث کا خط امام مالک علیہما الرحمہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ خطوط نگاری میں مہارت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے خطوط شائع کیے گئے ان میں ابوبکر الخوارزمی کے رسائل مقامات، بدیع الزماں الہمدانی اور ابومحمد القاسم الحریری کی مقامات حریری تصنیف ہوئیں، علماء اور صوفیوں میں امام غزالی کے مکتوب سے پہلے کی کوئی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ خطوط نویسی کے آداب اور اس کی تاریخی ارتقاء پر عربی زبان میں ''صبح الاعشیٰ''

جیسی ضخیم تصنیف ابوالعباس شہاب الدین نقشبندی نے لکھی۔ اس کے علاوہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے دیلمیوں، سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کی حکومت میں بھی اہل قلم ادیبوں کو اپنے خطوط اور مراسلت کے جمع کرنے کا ذوق پیدا ہوا، اس خیال کی تحریک دو وجہوں سے ہوئی ایک تو یہ کہ ان عجمی بادشاہوں کی زبان فارسی اور ان کی حکومت کی زبان عربی تھی۔ مامون رشید کے زمانے سے ہی فارسی زبان میں خطوکتابت کا

سراغ ملتا ہے۔ عجمیوں نے جہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں فطری طور پر خط وکتابت فارسی میں ہونے لگی۔ ادھر ہلاکوخان کے ذریعہ دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عربی زبان کا وقار بھی ختم ہو چکا تھا۔ لہذا فارسی انشاء کو فروغ پانے کا موقع مل گیا۔ فارسی کے ادیبوں میں صابی، صاحب اور عماد کاتب سے لیکر ''مسل السائر'' کے مصنف ابن عبدالکریم تک بہت سارے ایسے انشاء پرداز گزرے ہیں جن کے خطوط اور مراسلے ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے شاہی ادیبوں میں آئینہ اکبری کے مصنف اور اکبر کے نورتن ابوالفضل کے خطوط کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ فارسی میں صوفیانہ مکتوبات میں ہندوستان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ مذہبی اور اخلاقی تعلیم فلسفہ وتصوف کے رموز ونکات کی تشریح وتعبیر کے لئے ہمارے صوفیاء نے مکاتیب نگاری کا سہارا لیا اور ان کے توسط سے مریدین معتقدین کی رشد ہدایت کی۔ ان میں مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات صدی، کے علاوہ سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید محمد مکی (صحائف الاسلوک) شاہ ولی اللہ علیہم الرحمہ کے مکتوبات آج بھی کوثر وسلسبیل کے روحانی پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ ان صوفیاء کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی، عبدالقدوس گنگوہی، رشید الدین فضل اللہ، مولانا عبدالرحمٰن جامی، منیر لاہوری علیہم الرحمہ وغیرہ کے مکاتیب پر مشتمل کتابوں کا ادبی مرتبہ آج بھی بہت بلند ہے اور تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہیں۔ بادشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر کے ''رقعات'' اس چمن کے سدا بہار پھول ہیں، علماء اور صوفیاء کے یہ خطوط اپنی روحانی برکتوں، علمی بحثوں اور مذہبی حقیقتوں کے سبب سے ہماری عقید تمندیوں کا صحیفہ تصور کئے جاتے ہیں۔

اردو میں مکتوبات نگاری کا باقاعدہ آغاز مرزا اسداللہ خان غالب سے

ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اردو کے شعرا متقدمین کے مکاتیب کا پتہ نہیں چلتا۔ مرزا غالب کے دو مجموعے ''عود ہندی'' اور ''اردوئے معلیٰ'' کی انشاء پردازی کو ادبی اہمیت حاصل ہوگئی۔ اپنے خطوط کے بارے میں خود مرزا غالب کا دعویٰ ہے:

''میں نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے''

مرزا غالب کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کا ایسا سلسلہ چلا کہ اس کی ادبی حیثیت مسلم ہوگئی۔ سرسید کے خطوط، مولانا حالی کے مکاتیب، خواجہ محسن الملک کے مکتوبات، امیر مینائی کی تحریریں، اکبر مرحوم کے عنایت نامے، مولانا شبلی کے مکاتیب کے علاوہ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خطوط، سید سلمان ندوی، عبدالماجد دریابادی اور خواجہ حسن نظامی نے اپنے خطوط میں انشاء پردازی کے کمالات دکھائے۔ نواب مرزا خان داغ دہلوی اور ان کے شاگرد علامہ اقبال، صاحب طرز انشاء پرداز نیاز فتحپوری ومہدی افادی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی وغیرہ نے اپنے اپنے طور پر اسلوب کی توانائی اور انداز بیان کی شگفتگی کے علاوہ علمی وادبی نکات کو بھی نہایت اعتماد اور سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کے مجموعے خصوصاً ''غبار خاطر'' کی اشاعت نے علمی نثر کو ادبی رنگ وآہنگ عطا کیا جس سے بلاشبہ اردو کے مکتوباتی ادب کا وقار بڑھا ہے۔

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، عشق رسالت کے گنج ہائے گرانمایہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی شخصیت مستغنی عن التعارف ہے۔ آپ کے علمی ودینی کارناموں سے مسلمانوں میں جو ذہنی وفکری انقلاب پیدا ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔ جس کی شہادت پوری صدی دے رہی ہے۔ آپ کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا، جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمادیا۔

علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، تفسیر، ریاضی، ہندسہ، تصوف، سلوک تاریخ، لغت، ادب کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

میری گفتگو کا موضوع اس کثیر الجہت شخصیت کے صرف ایک کارنامہ یعنی اعلیٰ حضرت کی مکاتیب نگاری کا فکری وفنی تجزیہ ہے، تا کہ فاضل بریلوی کے مکاتب کی افادیت واہمیت کے تمام نکات اجاگر ہو سکیں، آپ کے خطوط میں بے شمار حقائق ومعارف اور مسائل دینیہ کے گوہر آبدار نمایاں ہیں، ان کے توسط سے معاشرتی زندگی کے مسائل کے حل بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں، دوسری طرف ان مکاتیب کے مطالعے کے بعد اسلامی احکام کی پیروی کا جذبہ دلوں میں امنڈنے لگتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے روزمرہ کے مشاغل، تعلیمی سرگرمی، دینی وملی خدمات کے علاوہ اکابرین دین وملت سے ان کے تعلقات کا اندازہ بھی ان خطوں کے ذریعہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ فاضل بریلوی کی مکتوب نگاری کی سب سے بڑی خصوصیت انشاء پردازی، کا کمال ہے۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ ومعیاری خطوط نگاری کی ظاہری ومعنوی خوبیوں سے ان کے مکاتیب آراستہ وپیراستہ ہیں اور عالمانہ شان کے مظہر آئیے اسے مکاتیب کی نشاندہی کی جائے۔

حضرت مولانا شاہ مہدی میاں مارہروی قدس سرہ سجادہ نشیں مارہرہ شریف نے فاضل بریلوی سے مکاتیب کے ذریعہ کثرت سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے نام ایک خط ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے چند ہی فقہی مسائل کا جواب اس عالمانہ انداز سے دیا ہے کہ ایک خط کئی کتابوں پر بھاری ہے۔

''جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو نماز منفردانہ پڑھیں

کہ جماعت واجب ہے، اس کی تقدیم، امامت کے لئے اسے آگے بڑھانا، مکراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں، ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں اور ظہر اعادہ کریں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم ہے اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں۔ الفتنۃ اکبر من القتل"۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"سود لینا مطلقاً حرام ہے۔ مسلم سے یا کافر سے، ہاں اگر ڈاک خانے میں یہ جمع کرے اور ڈاک خانہ اس پر جو کچھ زیادہ دے، اسے سود کی نیت سے نہ لے، بلکہ یوں کہ ایک برضائے غیر مسلم بلاعذر ملتا ہے، تو لے لینا جائز ہے اور فقرائے مسلمین پر اس کا صرف اولیٰ"۔

اعلیٰ حضرت کے خط کا اقتباس ہمارے اس خیال کو تقویت بخشتا ہے کہ خطوط کے ذریعہ آپ نے دین متین کی نہ صرف تبلیغ فرمائی بلکہ اسلامی علوم وفنون کو سہل انداز میں پیش کرنے کا ہنر عطا کیا۔ مذکورہ اقتباس میں اعلیٰ حضرت کے مزاج کی اعتدال پسندی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، فقہی مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ قوت استدلال کی خوبی موجود ہے۔ علمی مباحث میں مکتوب الیہ کے علمی استعداد کے بموجب زبان استعمال کی گئی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی وسیع المشربی، رواداری، محبت وشفقت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن جب اپنے قریب ترین معتقد، مرید یا کسی فرد کو اسلامی شعار کی خلاف ورزی کرتے دیکھتے ہیں تو بے باکانہ طور پر اس کا اظہار اس پیرائے میں مخاطب سے کرتے کہ وہ خود شرمسار ہو کر فعل کے ارتکاب سے توبہ کرتا ہے، اس کا اندازہ بھی فاضل بریلوی کے مکتوبات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ حضرت کا ایک مکتوب حضرت مولانا شاہ عبدالسلام جبل

پوری کے نام ہے۔ اس خط میں مولوی سخاوت حسین صاحب سہوانی کے صاحبزادے غلام قطب الدین جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلمیذ رشید تھے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''غلام قطب الدین صاحب جب کبھی یہاں تشریف لائے، فقیر کے ساتھ بہت خلوص سے پیش آئے، سر پر بال بہت لمبے مثل نساء تھے۔ فقیر نے عرض کی کہ یہ حرام ہے۔ اسی جلسہ میں کتروا ڈالے۔ ان کا برہم چاری لقب البتہ ہندوانہ اور سخت معیوب ہے۔'' (ماخذ مکتوب ۴ ربیع الاول شریف، ۳۲ھ)

محسوس کیا جاسکتا ہے کہ فاضل بریلوی کی تحریر سے غلام قطب الدین صاحب کے سلسلے میں کسی قسم کی استہزائی یا تضحیک کا پہلو نمایاں نہیں ہے۔ جذبہ اصلاحی ہے اور پھر مخاطب کو قائل بھی بالکل فقہی نکات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ خصوصاً یہ جملہ ''ان کا برہم چاری لقب البتہ ہندوانہ اور سخت معیوب ہے'' میں بھی خلوص کی گہرائیاں موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی انشاء پردازی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ان کی تحریر میں کسی قسم کا اشتعال یا سخت گیری کا پہلو نہیں ہوتا۔ اشاروں میں بات کہہ جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خطوط میں انشاء پردازی کے لحاظ سے کہیں کہیں مرزا غالب کا رنگ نمایاں ہے، پہلے مرزا غالب کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ کیجئے جو نواب انوار الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کے نام ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

''حضرت پیر و مرشد اگر آج میرے سب دوست اور عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجالاؤ، خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انوار الدولہ کا خط لایا''۔

مرزا غالب کے خطوط نگاری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہم قوافی الفاظ کے استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تحریر میں جاذبیت اور شیرینیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مذکورہ اقتباس میں فراہم ہوتے، باہم ہوتے آؤ، بجالاؤ، دن دکھایا، خط لایا، تحریر میں ایسے الفاظ کی صوتی آہنگ سے لطف، مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت اعلیٰ حضرت کے مکاتب میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثلاً ان کے ایک خط کا اقتباس پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ خط حضرت مولانا شاہ عبدالسلام کے نام ہے:

''دعائے جناب واحباب سے غافل نہیں، اگر چہ منہ دعا کے قابل نہیں۔ اپنے عفو و عافیت کے لئے طالب ہوں، کہ سخت محتاج دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل''۔

صوتی آہنگ کے لئے قوافی کا التزام اعلیٰ حضرت نے بھی کیا ہے۔ جناب، احباب، غافل نہیں، قابل نہیں، طالب دعا ہوں، دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک، عمل رکیک، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نثر میں شاعری کی ہے۔ پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے خیال سے اعلیٰ حضرت کے اس اقتباس کا تقابلی مطالعہ مرزا غالب کے مذکورہ اقتباس سے کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت مرزا غالب پر برتری لے گئے ہیں۔ مرزا غالب کی تحریر میں ظرافت اور مردم پرستی کا عنصر نمایاں ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں خاکساری، انکساری، کے علاوہ بے ثباتی عالم کا درس بھی ہے، جو ہمیں دعوت فکر دیتا ہے۔ اس طرح یہ کہنے میں ہمیں ذرا بھی تامل نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے مکاتیب میں علم و عرفان کی فضا دل کشی کے ساتھ ملتی ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خطوط عام طور پر طویل نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ

ہے کہ وہ محض کام کی باتوں کے اظہار کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں الجھتے البتہ جو کچھ لکھتے ہیں، نہایت اعتماد، استناد اور صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو لکھے ایک مکتوب میں فاضل بریلوی نے جہاں ایک فقہی مسئلے کا جواب نہایت استناد کے ساتھ پیش کیا۔ وہیں دوسرے حوالہ جات کے سلسلہ میں بھی معیاری اور معتبر کتابوں کو پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ اقتباس:

''تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ درر میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے علیہ السلام کے اختصار ع،م لکھنا کفر ہے۔ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب بھی باقی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ اگر آپ کو ملے تو بحوالہ کتاب و باب و فصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔

(مکتوب بنام مولوی ظفر الدین کا اقتباس)

اس اقتباس سے اعلیٰ حضرت کی فقہی معلومات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مسائل کے استنباط و استخراج کی بھرپور صلاحیت فاضل بریلوی میں تھی۔ اس چھوٹے سے اقتباس سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا ہے۔ پوچھنے اور بتانے کا ماحول ہے۔ گفتگو عالمانہ ہے، لیکن خشک نہیں۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

اعلیٰ حضرت کو دیار حبیب سے کس قدر عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ ان کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے۔ وہاں پہنچنے کے لئے کس طرح بے تاب نظر آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام جائداد کا معاملہ نپٹا کر ہمیشہ کے لئے گنبد خضری کے زیر سایہ بچی ہوئی زندگی گزار دی جائے۔ لیکن وائے حسرت خانگی بٹوارہ مخل ہوا رقم کے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے خالی ہاتھ جانا طبیعت کو ناگوار گزرتا ہے۔ اپنے اس جذبات کے ترجمانی اپنی ایک

خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں:

''وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ بھی مرنے کو نہیں چاہتا۔ اپنی خواہش یہی کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔ بہر حال اپنا خیال ہے، مگر جائیداد کی جدائی یہ لوگ کسی طرح نہ کرنے دیں گے۔ خریدار کو مجھ تک پہنچنے ہی نہ دیں گے۔ کوئی منقول شے نہیں کہ بازار بھیج کر نیلام کردی جائے اور خالی ہاتھ بھیک پر گذرنے کے لئے جانا شرعاً جائز نہ نہ دل کو گوارا، دعا کیجئے کہ ہر کام کا انجام بخیر ہو۔

والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

۱۸ رماہ مبارک ۳۲ھ

پوری تحریر شاہد ہے کہ اعلیٰ حضرت کے حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا۔ آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جن کے قلب عشق الٰہی و محبت رسول سے سر سبز و سرشار ہیں۔ آپ شریعت کے امام و مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کے بادشاہ بھی ہیں۔ لہٰذا خالی ہاتھ جانا فاضل بریلوی کو گوارا نہ ہوا۔

حوالہ جات:

(۱) رشید احمد صدیقی، ''مکتوبات نیاز پر اظہار خیال''، مشمولہ رسالہ نگار لکھنؤ، جولائی ۱۹۴۰ء۔

(۲) پروفیسر خورشید الاسلام، تنقیدیں ۸۷۵

(۳) مولوی عبدالحق ''ادبی تبصرے'' ص: ۷۶

☆☆☆☆

☆

چلچلاتی دھوپ میں...... کسان نے ہل چلایا...... کھیت جوتا

تیار کیا...... بیج ڈالا...... کھیتی اگائی...... نرائی کی...... پک کھیتی تیار ہوئی

فصل کاٹی...... کھیت سے کھلیان لایا...... شہر لے گیا

بھاؤ طے...... بیچ دیا...... دام کھرے کئے...... سر میں کیا سودا سمایا

شہر کی عشرت وشہوت میں ڈوب گیا

نشہ ہرن ہوا...... تو دیہات لوٹا...... زمیندار نے کہا: حساب چکاؤ

حساب وکتاب تو کیا چکاتا...... غبارے سے ہوا نکل گئی...... زمین دار نے زمین چھین لی

اوپر سے تاوان (جرمانہ) عائد کردیا...... کسان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

دولت والو!

اقتدار والو!

یہ دولت واقتدار تمہارے ہاتھوں چند روز کی امانت ہیں

کان لگا کر سنو!

تم سے بھی اس امانت کا حساب لیا جائے گا

دیکھو کسان کی حالت زار سامنے ہے

عبرت لو

عبرت پکڑو

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۵۸)

ملک العلماء مکتوبات رضا کے آئینے میں

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
پرنسپل مرکز النور ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ سینٹر میرا روڈ ممبئی

(ماہنامہ، کنزالایمان دہلی، اکتوبر ۲۰۰۰ء ص:۳۱ تا ۳۴)

☆

آئینہ...... روز مرہ استعمال میں آتا ہے......

تم اسے ناک منہ سے چپکالو

یا ذرا زیادہ فاصلے پر رکھ چھوڑو......

تو وہ تمہیں تمہاری صورت نہیں دکھلائے گا......

ضروری ہے اس سے قدرے دور......

قدرے قریب رکھا جائے......

پھر اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ

ٹھیک یہی مثال ہے دنیا کی......

نہ اسے دل میں بساؤ نہ اس سے دور بھاگو

بھاگ جانا...... زہد و تقویٰ کی علامت نہیں

ہاں! ہلاکت ضرور ہے دل میں بسالینا

غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

دین کو دل میں رکھو

اور دنیا کو مٹھی میں

چلو تم!

ذرا سوچ کر

ذرا سنبھل کر

(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص:۵۶)

ملک العلماء! مکتوبات رضا کی روشنی میں

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

ملک العلماء، حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین، دریائے گنگا کے لب پر آباد شہر عظیم آباد، پٹنہ میں پیدا ہوئے، شفقت پدری کی گھنیری چھاؤں میں تعلیمی سفر کا آغاز کیا، نہر نہر، دریا دریا، غواصی کرتے رہے اور آبدار موتی مونگا چن چن کر دامن مراد بھرتے رہے۔ تا آنکہ توفیق ایزدی نے سعادت شعار جو پائے علم کو فضیلت آثار استاد، امام احمد رضا کی دہلیز پر پہنچادیا، بلبل کو پھول اور پیاسے کو پنگھٹ چاہیے، بس یہیں انہوں نے ڈیرا ڈالا، آسن جمایا اور دھونی رمایا، ذہین و فطین، اخاذ و نباض، موفق من اللہ اور تراشیدہ کمال قدرت تو تھے ہی، امام احمد رضا کی فیض صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور پھر یہیں سے آپ کی حیات مستعار کا دوسرا زریں دور شروع ہوا، بریلی، آرہ، پٹنہ، کلکتہ، سہسرام، اور کٹیہار کی کشت علم پر برکت علم برسا کر خیابان رضا سے اٹھنے والا یہ ابر بارندہ اپنی ہی زمین کے افق پہ جا کر تھم گیا اور خاک ہند کے جس مردم خیز خطے سے علوم ومعارف کا یہ سورج اگا تھا، برصغیر کے ذرے ذرے کانٹے کو چمکا کر اسی خطے کے ایک حصے ''شاہ گنج'' میں روپوش ہوگیا۔

ملک العلماء امام احمد رضا کے سب سے بڑے مکتوب الیہ ہیں، چونکہ امام احمد رضا کے ذخیرۂ مکاتیب میں سب سے زیادہ مکتوب آپ ہی کے نام ملتے ہیں، جو کیت وکیفیت اور قدر وقیمت ہر دو اعتبار سے نہایت وقیع ہیں، لہٰذا مکتوبات رضا کے اجالوں میں ملک العلماء کو تلاش کرنے سے پہلے، آیئے اس عظیم ومحبوب تر مکتوب الیہ کی صد ابہار زندگی کا اجمالی خاکہ پیش نظر رکھئے۔

۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں وہ پیدا ہوئے ۱۳۲۰ھ میں اپنے زمانے کے ماہر ومشہور استاذ حدیث مولانا وصی احمد محدث سورتی سے مدرسہ ''حنفیہ'' پٹنہ میں اخذ علم کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں ماہر معقولات مولانا احمد حسن کانپوری سے معقولات میں استفادہ کیا، ۱۳۲۱ھ میں ہی مرکز علم وعرفاں بریلی حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں ''منظر الاسلام'' کے قیام میں بانیہ کردار ادا کیا، ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، سنہ مذکورہ ہی میں منظر الاسلام کے استاذ نامزد ہوئے اور امام احمد رضا نے تمام سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، نیز ''ملک العلماء اور فاضل بہار'' کے خطاب سے نوازا، ۱۳۲۶ھ میں اونی مدنی جبہ دے کر مناظرہ میوات کے لئے روانہ فرمایا۔ ۱۳۲۶ھ ہی میں فرخندہ لڑکا تولد ہوا، تو امام احمد رضا نے تہنیت کا تار بھیجا، ۱۳۲۹ھ تک بریلی رہے، دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کیا، پھر شملہ اور آرہ ہوتے ہوئے ۱۳۳۰ھ کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی مسند فقہ وتفسیر کو زینت بخشی، ۱۳۳۴ھ میں ''خانقاہ کبیریہ'' سہسرام تشریف لے گئے اور علم وفضل کے گوہر لٹائے، ۱۳۳۸ھ میں بحیثیت سینئر استاذ باصرار دوبارہ مدرسہ ''شمس الہدیٰ'' بلالئے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ ''شمس الہدیٰ'' کے پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے، ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء ''ظفر منزل'' شاہ گنج میں اقامت گزیں ہوکر عبادت وریاضت اور تصنیف وتالیف کرتے

رہے، ۱۹۵۰ء میں شہر کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔ ۱۹۶۰ء تک یہیں آپ کا چشمہ علم و فن، بحر قلزم اور مہا ساگر بن کر بہتا رہا، ملک العلماء کے شہکار شاگرد علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی، اسی زمانہ خیر و برکت کی حسین یادگار ہیں۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا۔

اس تمہیدی خاکہ کی روشنی میں حیات ملک العلماء کو مقالہ نگار تین ادوار میں تقسیم کرتا ہے، پہلا دور ۱۳۰۳ھ تا ۱۳۲۱ھ۔ دوسرا دور ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۴۰ھ۔ اور تیسرا دور ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔ پہلا دور اور تیسرا دور ظاہری ربط و تعلق سے خالی نظر آتا ہے، البتہ تیسرے دور میں نسبت علمی اور روحانی تعلق ضرور قائم ہے بلکہ اس رسم محبت کا رشتہ تو جتنی بہاریں لوٹنے تک استوار رہے گا۔ بچا دوسرا دور جو نہایت تابناک ہے اور تقریباً ۱۹ سالوں پر محیط۔ پھر اس کی بھی تین حیثیتیں ہیں، (۱) ملک العلماء بحیثیت طالب علم ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۲۵ھ (۲) ملک العلماء بحیثیت مدرس ''منظر الاسلام'' مصنف، مناظر، معتقد مفتی اور مشیر خاص امام احمد رضا ۱۳۲۵ھ تا ۱۳۲۹ھ، (۳) ملک العلماء بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ، مناظر، مصنف، مرشد طریقت، مکتوب الیہ اور مسلک امام احمد رضا کا جاں سپار نقیب و ترجمان۔

راقم آثم کا موضوع گو تیسری حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، مگر پہلی دونوں حیثیتوں پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے تاکہ ربط باہم کے نشانات ابھر ابھر کر خود سامنے آسکیں۔

۱۳۲۱ھ میں ملک العلماء بریلی شریف وارد ہوئے ہیں اور چند دنوں میں ہی وہ اپنی ذہانت و متانت بلند سیرت، حسن عمل، علمی اٹھان، اور فکری اڑان کی بنا پر امام احمد رضا کے دل میں گھر بنا لیتے ہیں، وہ حلوا کھاتے ہیں، عیدی و تہوار پاتے ہیں، خاص

خاص موقعہ پر جوڑا ملتا ہے، اونی مدنی جبہ دیا جاتا ہے وہ بھی حرم نبوی کا وہ پھولے نہیں سماتے ہیں، ان کے لئے کرتا، ٹوپی، پائجامہ، اور بیش قیمت انگرکھا بنایا جاتا ہے، وہ برسوں تبرکا استعمال کرتے ہیں، اتنا سارا پیار کیوں نہ ملے، وہ مربی و مشفق اتالیق یہ سراپا ادب و نیاز تلمیذ، آہ! کیسے کیسے الطاف وعنایات خسروانہ اور کیا کیا انعام واکرام کہ سو سو جان قربان! امام احمد رضا خود فرماتے ہیں" جیسے مصطفے (مفتی اعظم ہند) ویسے تم" شفقت استاذ نے اندر باہر کی تفریق مٹا دیا تھا، عربی مدارس کے اساتذہ سبق سیکھیں۔

درس نظامی کی تکمیل اور رسم فراغت سے تین سال پہلے ہی ۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء نے پہلا فتویٰ لکھا، جھجکتے ہوئے اصلاح کے لئے امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا، پھر کیا ہوا، اس کی منظر کشی انہیں کے لفظوں میں دیکھئے اور بلندی اقبال پر رشک کیجئے۔

۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو میں نے فتویٰ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت (مولانا نقی علی خان) والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اسی لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں۔

علم وحکمت، بصیرت وتدبر، اصابت رائے، صلابت فکر، سچے شعور، اور راست سوچ کے پیکر تھے۔ ملک العلماء، امام احمد رضا کی جوہر شناس نگاہوں نے نظر اول ہی میں پہچان لیا، ان کی گہری سوچ اور باوزن افکار کا کس قدر احترام تھا امام احمد رضا کے یہاں،

''جامعہ منظر اسلام'' کی تاسیس کے پس منظر میں ذرا جھانک کر دیکھئے، سب سے پہلا داعیہ جس کے دل میں انگڑائی لیا، وہ ملک العلماء ہی تھے اور ''منظر اسلام'' کے موسس علام اپنے ہونہار محرک اور ہنر مند مجوز کی خوبصورت تحریک و تجویز کو رد نہ فرما سکے، تحریک کی طاقت اور خلوص فکر نے رنگ لایا اور اسی سال منظر اسلام کا قیام عمل میں آ گیا، تفصیلات کے لئے مولانا محمود احمد قادری کی ''تذکرہ علمائے اہل سنت'' وغیرہ دیکھئے۔

بعد میں یہی ''منظر اسلام'' بغداد العلم کہلایا، رشک یونان و اصفہان بنا، غرناطہ سبکسار اور دہلی، لکھنؤ شرمسار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگو ہوئے، اونچی درسگاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئیں، رحمت رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور مدینۃ العلم کے رحمت بردوش معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش و کرم نے امام احمد رضا کو حجازی حافظان حدیث اور فاضلان علوم اسلامیہ کا معلم بنا دیا۔ اللہ اکبر! خدمت خلق، اشاعت علم اور حب نبی کا بیش بہا صلہ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا، اسی مشہور آفاق مرکز علم و حکمت کے پہلے برگ و بار اور اولین فصل بہار ہیں، ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین، خدا! اپنی تجلیوں سے تو ان کے شبستان خاکی کو جگمگائے رکھ، رحمتوں کے پھولوں سے مہکائے جا!!

مدارس و جامعات کی تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ بانی، متعلم اور پھر معلم، کسی شخص واحد کو یہ تینوں حیثیتیں بیک وقت میسر ہوئی ہوں کہ ادارے کی تاسیسی تحریک میں مثل موسس رول ادا کرے، چٹائی پہ بیٹھے، زانوئے تلمذ طے کرے، اور تکمیل درسیات ہوتے ہی اسی درسگاہ کی مسند تدریس کی زینت بنا دیا جائے، اس خصوص میں ملک العلماء منفرد نظر آتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم و جدید تعلیمی مراکز میں جو چراغ

علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سر رشتہ مجدد اسلام اور منظر اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم سیہ یہ کہ تاریخ مرتب نہیں، منظر اسلام کی خدمات جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیا جائے اور تمام کارنامے جو پس منظر میں چلے گئے یا دفتر گاؤ خورد ہو کر رہ گئے ہیں، پیش منظر لایا جائے، تاریخ ہند میں خدمت علم اور اشاعت دین کا یہ سب سے روشن باب ہے، مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے، خزانہ کھنگالے جائیں، دفینے اجالے جائیں جامعہ منظر اسلام کے موجودہ ارباب مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

''منظر اسلام'' قائم ہو گیا۔ ملک العلماء پڑھتے، امام احمد رضا کے مشاغل علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل و تبیض کرتے، حوالجات نکالتے، حوادث زمانہ پر گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے، الصحبۃ مؤثرہ کے بموجب راہوار قلم مہمیز لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا وہ تصنیف و تالیف بھی کرتے، عہد طالب علمی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں، (۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ (۵) مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ، ان میں سے مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس کو عرس کی شرعی حیثیت کے عنوان سے ادارۂ افکار حق باسی پورنیہ بہار نے تین چار سال پہلے شائع کیا ہے، اور اس پر امام احمد رضا قدس سرہ کی تقریظ جلیل مرقوم ہے اور مطبع اہل سنت بریلی سے چھپی بھی تھی۔

۱۳۲۵ھ میں ملک العلماء نے نصاب تعلیم پورا کیا، تو خوب دھوم سے جشن بہاراں منایا گیا ان کے ماتھا مبارک پر ورثۃ الانبیاء کا تاج سجا، عباقرۂ عصر کے بابرکت ہاتھوں نے دستار باندھی سند و شہادت سے نوازے گئے، بیعت مرشد کا شرف حاصل

تو تھا ہی، جملہ سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔ ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' خطاب عطا ہوا، میکدہ کا جو بھی میکش تھا، ساقی مقرر ہوا، جو بھی تشنہ تھا، سیراب ہو گیا، جو بھی متعلم تھا، طالبان علوم نبوت کا معلم نامزد ہوا، واہ رے! سرفرازیاں!! ان سعادتوں میں بھی ملک العلماء کی انفرادی شان معلوم ہوتی ہے۔

بحر شریعت وطریقت کے تیراک، امام احمد رضا کے علم وعمل کا مظہر، فکر وقلم کا پرتو، فیضان نظر کی کرامت اور خصوصی توجہات کے بعد اعجاز نے جب تدریس کی ابتداء فرمائی، تو عمل تدریس، نصاب تعلیم، نظام اخلاق، مدرسین ومعلمین ومتعلمین کی تعداد یا ان کے کھان پان اور رہائش وغیرہ اور منظر اسلام کی تعمیر وتوسیع، کن کن جہتوں میں کیا گیا۔ اصلاحات وترمیمات ہوئیں، کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں اور کس قسم کے اثرات وثمرات رونما ہوئے۔

جس درسگاہ فیض بخشش کا ہر ذرہ آفتاب ومہتاب بن کر چمکا، افسوس! ان احوال تک دست قلم کی رسائی نہیں لیکن ملک العلماء کے چاک وچوبند ذہن ودماغ اور زمین شور میں سنبل لگانے والی صلاحیت وقابلیت کے قرین قیاس یہی ہے کہ نمایاں ترین نتائج برآمد ہوئے ہوں گے۔

۱۳۲۶ھ میں ملک العلماء اپنی عمر کی بائیسویں بہار سے گزر رہے تھے، علاقہ میوات فیروز پور میں تو ہب گاؤں کے ٹھیکیداروں نے اودھم مچا رکھا تھا، حضرت مولانا صوفی رکن الدین الوری، حضرت مولانا احمد حسین رام پور کو بریلی بھیجا کہ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو وہاں کے حالات کہہ سنائیں اور کوئی مناظر لیتے آئیں گے۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے مصنف کی تحریر پڑھئے۔

''اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل

لواح فیروز پور جھر کا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے، آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جایئے اور وہابیوں کو شکست دیجئے، میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں، حضور کے دعاء کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی، اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔

اونی مدنی جبہ کے جلووں نے اپنا اثر دکھایا اور امام احمد رضا کی دعاء میرے ظفر کو اپنی ظفر دے، کی تاثیر و برکت سے کامرانیوں نے قدم چوما، وہابیوں کو سنگین شکست ہوئی اور آپ فاتح و غالب ہو کر واپس تشریف لائے، تمام تفصیلی روداد آپ کی کتاب ''شکست سفاہت میں موجود ہے۔'' میرے ظفر'' میں جو پیار، اپنائیت، اور اعتماد کا عنصر پایا جاتا ہے اس سے ہر صاحب ذوق لطیف، لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

مصنف کی تصانیف وتحقیقات

(۱) امام احمد رضا کی مکتوب نگاری (مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)

(۲) کلیات مکاتیب رضا (تین جلدیں) اول ودوم مطبوعہ کلیر شریف و لاہور ۲۰۰۵ء

(۳) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا (دو جلدیں)

(۴) حیات رضا کی نئی جہتیں

(۵) مسئلہ اذان ثانی ایک تحقیقی مطالعہ

(۶) تین تاریخی بحثیں

(۷) ندوۃ العلماء ایک تجزیاتی مطالعہ

(۸) تقریظات امام احمد رضا

(۹) اسفار امام احمد رضا

(۱۰) امام احمد رضا کے چند غیر معروف خلفاء

(۱۱) امام احمد رضا آداب والقاب کے آئینے میں

(۱۲) حکایات امام احمد رضا

(۱۳) مواعظ اماا حمد رضا

(۱۴) چشم وچراغ خاندان برکات

(۱۵) سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی

(۱۶) مولانا عبد القادر بدایونی۔ حیات ومکتوبات

(۱۷) قاضی عبد الوحید فردوسی۔ حیات ومکتوبات

(۱۸) شخصیات ومکتوبات (دو جلدیں)

(۱۹) امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں — مطبوعہ ممبئی ۲۰۰۶ء

(۲۰) پیمانۂ خیال — مطبوعہ لاہور ۲۰۰۵ء

خطوط کے آئینے میں